ماہنامہ
جہدِ حق

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

HRCP

جلد نمبر 30 ...... شمارہ نمبر 04 ...... اپریل 2023

(قیمت 10 روپے)

Registered No. CPL-13

وہ اور ہم

تحریک عدم اعتماد پیش کر دی گئی
سکندر کیا آج پھر خالی ہاتھ گھر لوٹے گا
تحریک عدم اعتماد رد کر دی گئی
گل مینا کو اسکول میں داخل کر لیں گے نا
تحریک عدم اعتماد چیلنج کر دی گئی
محمد علی بیرسٹر بن گیا، اب کیا ہوئے گا؟
تحریک عدم اعتماد بحال کر دی گئی
فاطمہ کے لیے اچھا رشتہ کب آئے گا، مولا!
تحریک عدم اعتماد منظور کر دی گئی
یا خدا! کیا ماں جی کو لہور لے جانا پڑے گا

(ادریس بابر)

آئینی بحران کی باڑ جو پرچم کو پھاڑ سکتی ہے

HRCP شکایات سیل

ایچ آر سی پی شکایات سیل نے 1985ء میں کام شروع کیا جب کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے میں ایسا مخصوص شعبہ موجود نہیں تھا جو مظلوم لوگوں کی شکایات وصول کرتا ہو۔ اس وقت سے، ایچ آر سی پی پاکستان بھر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے ازالے کے لئے جدوجہد میں مصروف ہے۔

ایچ آر سی پی شکایت سیل کو ماہانہ سینکڑوں شکایات موصول ہوتی ہیں۔ ہم پولیس کی زیادتیوں، خواتین کے خلاف تشدد، محکمہ جاتی مسائل، اقلیتوں کے حقوق، جبری شادیوں، جبری تبدیلی مذہب، جبری گمشدگیوں، سائبر جرائم اور دیگر تمام انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق شکایات وصول کرتے ہیں اور اس پر ایکشن لیتے ہیں۔ تاہم، مالی معاونت، سیاسی پناہ، جائیداد کے تنازعات یا ذاتی تنازعات سے متعلق شکایات ہمارے دائرہ کار سے باہر ہیں۔

طریقہ کار: جیسے ہی ہمیں شکایات موصول ہوتی ہیں ہم متعلقہ حکام سے رابطہ کرتے ہیں اور کیس پر کارروائی کا آغاز کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ، ہمارا مندرجہ ذیل اداروں کے ساتھ ایک براہ راست ریفرل نظام موجود ہے جس کا مقصد شکایت کے فوری ازالے کو یقینی بنانا ہے۔

پنجاب

- اسسٹینٹ انسپکٹر جنرل آف پولیس برائے انسانی حقوق سیل، پنجاب
- انسپکٹر جنرل آف پولیس، پنجاب
- قومی کمیشن برائے انسانی حقوق، لاہور (صوبائی دفتر)
- خواتین کے خلاف کام کی جگہ پر ہراسانی کے محتسب کا دفتر، پنجاب
- پنجاب کمیشن برائے حقوق نسواں
- پنجاب ویمن پروٹیکشن اتھارٹی
- شہید بے نظیر بھٹو انسانی حقوق مرکز برائے خواتین، بہاولپور
- متاثرین کی معاونت کا مرکز، لاہور
- ویمن، ہیلپ ڈیسکس (پنجاب پولیس) ملتان
- پنجاب پولیس کے ضلعی ویمن ڈیسک، ملتان
- خواتین کے خلاف تشدد سے متعلق مرکز، ملتان

سندھ

- اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل آف پولیس، سندھ
- ڈائریکٹر چائلڈ پروٹیکشن بیورو، کراچی
- ڈپٹی سپریٹنڈنٹ آف پولیس برائے انتظامی امور، حیدرآباد
- ڈپٹی سپریٹنڈنٹ آف پولیس برائے انسانی حقوق سیل، سندھ
- محکمہ انسانی حقوق، حکومت سندھ
- قومی کمیشن برائے انسانی حقوق، کراچی (صوبائی دفتر)
- خواتین کے خلاف کام کی جگہ پر ہراسانی محتسب کا دفتر، سندھ
- پولیس سہولت مرکز، حیدرآباد
- سینیئر سپریٹنڈنٹ آف پولیس، حیدرآباد
- سندھ کمیشن برائے حقوق نسواں
- سندھ انسانی حقوق کمیشن
- خواتین اور بچوں کے تحفظ کا مرکز، سندھ
- ویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹ، حکومت سندھ
- ویمنز پولیس اسٹیشن، حیدرآباد

بلوچستان

- قومی کمیشن برائے انسانی حقوق، کوئٹہ (صوبائی دفتر)
- خواتین کے خلاف کام کی جگہ پر ہراسانی کے محتسب کا دفتر، بلوچستان
- ویمنز پولیس اسٹیشن، کوئٹہ
- ویمن ڈویلپمنٹ ڈیپارٹمنٹ، بلوچستان

خیبر پختونخوا

- جینڈر ڈیسک، سوات
- انسپکٹر جنرل آف پولیس، خیبر پختونخوا
- خیبر پختونخوا چائلڈ پروٹیکشن اینڈ ویلفیئر کمیشن
- خیبر پختونخوا کمیشن برائے حقوق نسواں
- خیبر پختونخوا ویمن کرائسز سینٹرز، مردان
- قومی کمیشن برائے انسانی حقوق، پشاور (صوبائی دفتر)
- خواتین کے خلاف کام کی جگہ پر ہراسانی کے محتسب کا دفتر، خیبر پختونخوا
- ویمنز پولیس اسٹیشن، سوات

دارالحکومت اسلام آباد

- انسپکٹر جنرل آف پولیس، اسلام آباد
- قومی کمیشن برائے انسانی حقوق
- قومی کمیشن برائے حقوق نسواں

گلگت بلتستان

- آغا خان مصالحتی وثالثی بورڈ، گلگت
- محکمہ سول انتظامیہ و پولیس، گلگت بلتستان
- محکمہ انسانی حقوق، گلگت بلتستان

خواتین اور بچوں کی پناہ گاہیں جہاں شکایات سیل کیسز کو ریفر کرتا ہے:
دستک چیریٹیبل ٹرسٹ، لاہور
خواتین کے خلاف ہراسانی کے محتسب کا دفتر، ملتان
پناہ شیلٹر ہوم، کراچی، ایدھی ہوم اینڈ ایدھی یتیم خانے، کراچی
بے نظیر شیلٹر ہوم، کوئٹہ، ایدھی ہوم، کوئٹہ، آبرو شیلٹر ہوم، کوئٹہ
نور ایجوکیشن ٹرسٹ شیلٹر، پشاور

شکایات سیل سائبر ہراسانی کے کیسز مندرجہ ذیل اداروں کو ریفر کرتا ہے:
بولو بھی، کراچی
ڈیجیٹل رائٹس فاؤنڈیشن، لاہور
ایف آئی اے نیشنل ریسپانس سینٹر فار سائبر کرائم، کراچی
ایف آئی اے نیشنل ریسپانس سینٹر فار سائبر کرائم، پشاور

چند سنگین نوعیت کے معاملات میں ایچ آر سی پی ایک فیکٹ فائنڈنگ ٹیم بھیجتا ہے تاکہ شکایت کی مزید چھان بین کی جا سکے۔ جس کے بعد ہم اپنے مشاہدات کی بنیاد پر ایک بیان یا رپورٹ جاری کرتے ہیں۔ ہم صرف انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں سے متعلق مشترکہ شکایات کی صورت میں قانونی معاونت فراہم کرتے ہیں

ریفرل کے دیگر روابط
اے جی ایچ ایس لیگل ایڈ سیل، لاہور سے تعلق رکھنے والی یا ان خواتین کے لئے جن کے (مقدمات لاہور کی عدالتوں میں زیر سماعت ہوں)
سوسائٹی فار اسپیشل پرسنز۔ ملتان
دستگیر لیگل ایڈ فاؤنڈیشن، ملتان
پاکستان ہیومن ڈویلپمنٹ فاؤنڈیشن، ملتان
ڈاکٹر ایس ہارون احمد برائے نفسیاتی خدمات، کراچی
ڈپولائن فری کلینک برائے نفسیاتی خدمات، کراچی
لیگل ایڈ سوسائٹی، حیدرآباد، ر سکنگ بیریئرز ویمن، کوئٹہ

ہم سے رابطہ کریں: آپ ہمیں کال کر سکتے ہیں، واٹس ایپ کر سکتے ہیں، ای میل بھیج سکتے ہیں یا خط ارسال کر سکتے ہیں۔ آپ اپنے قریبی ایچ آر سی پی شکایات ڈیسک میں بذات خود جا کر شکایت رجسٹر کروا سکتے ہیں اور کمپلینٹ آفیسر سے بذات خود بات کر سکتے ہیں۔

لاہور
طاہرہ حبیب/لاریب سعید
0333 200 6800 (طاہرہ حبیب)
0321 341 4884 (لاریب سعید)
042 3584 5969
042 3586 4994
ایوان جمہور، 107 ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
hrcp@hrcp-web.org
complaints@hrcp-web.org

کراچی
نداتنویر/عبدالحیٔ
0315 111 6287 (نداتنویر)
0333 3046674 (عبدالحیٔ)
021 3563 7131
021 3563 7132
یونٹ نمبر 08، فرسٹ فلور، اسٹیٹ لائف بلڈنگ نمبر 5 (آئیلا کو ہاؤس)، عبداللہ ہارون روڈ صدر، کراچی
karachi@hrcp-web.org

پشاور
اسماء خان
091 5844253
0331 9352097
اعظم چشتی روڈ، شیرازی کالونی، گلی نمبر 1، پیپل اسٹاپ، ریلوے روڈ، پواکا، پشاور
peshawar@hrcp-web.org

اسلام آباد
سمیتا عالم
0313 5358995
051 8351127
آفس نمبر 1 بی، سیکنڈ فلور، بلاک ڈی۔12 (نزد پی ایس او پمپ)
جی۔8 مرکز، اسلام آباد
islamabad@hrcp-web.org

کوئٹہ
نائلہ رحیم
0306 294 6125
081 282 7869
فلیٹ نمبر سی۔6، کبیر بلڈنگ، ایم اے جناح روڈ، کوئٹہ
quetta@hrcp-web.org

حیدرآباد
افشاں سمیتو
022 278 3688
022 272 0770
0310 339 2222
آفس نمبر 306، فائزہ آرکیڈ، صدر، حیدرآباد
hyderabad@hrcp-web.org

ملتان
انیلہ اشرف
061 451 7217
0331 665 5529
مکان نمبر 24۔اے، ابدالی کالونی، گلی مسجد ٹیناں والی، ڈیرہ اڈا، ملتان
multan@hrcp-web.org

گلگت
ظہیر اسراج
0344 5475553
0355 4541088
آفس نمبر 9-8، رنگ یل پلازہ، جماعت خانہ روڈ، ذوالفقار آباد جتیال، گلگت

تربت/مکران
وقار قیوم
0852 413365
0323 234 2406
پرواز ہاؤس، پسنی روڈ، تربت، کیچ
ghaniparwaz@hotmail.com

فہرست

سیاسی مسائل کے صرف سیاسی حل ہونے چاہئیں 03

معاشی انصاف پر تیسرا عاصمہ جہانگیر
میموریل لیکچر 05

گوجرانوالہ اور وزیر آباد میں اقلیتوں
کی جائے عبادات پر حملے 09

پاکستان سمیت بیشتر ممالک میں
اظہار رائے کی آزادی نہیں 13

ہر ایک کے لئے ڈراؤنا خواب
پاکستان کی جیلوں میں صحت کا بحران 14

مقامی قبائل کے درمیان زمینی تنازعے
کی وجہ سے فاٹا یونیورسٹی اور ڈگری کالج بند 17

گلگت بلتستان میں 13 فیصد
سے زائد بچے چائلڈ لیبر کا شکار ہیں 18

مزدوروں کے حق میں، زمینوں
پر بیجا قبضے کے خلاف احتجاج 19

ہسپتال کا شعبہ حادثات غیر فعال 19

کسانوں کی بیدخلی کے خلاف احتجاج 20

پاکستان میں 3 برسوں کے دوران
ٹارگٹ کلنگ: ایک اور سکھ تاجر کا قتل 20

صنفی تشدد کے 63 ہزار کیسز رپورٹ 21

سرکاری اہلکاروں نے طالبعلم
کو اٹھا کر لاپتہ کر دیا 22

خواتین نادرا آفس کو بند کر دیا گیا 22

سیاسی مسائل کے صرف سیاسی حل ہونے چاہئیں

حنا جیلانی

چیئر پرسن پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق

موجودہ سیاسی بحران اور آئینی تعطل پر غور وخوض کے لیے منعقد ہونے والے ایک انتہائی اہم اجلاس کے اختتام پر، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) کی گورننگ کونسل اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ جمہوری عمل کو برقرار رکھنا اور مستحکم کرنا بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

ایچ آر سی پی کو شدید تشویش ہے کہ اس بحران نے سیاسی میدان میں انتشار کی فضا پیدا کی ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ صورتِ حال اُن اقدامات کی وجہ سے پیدا ہوئی جو جمہوری عمل کو سبوتاژ کرنے اور پارلیمان کی افادیت اور قانونی حیثیت کو نقصان پہنچانے کے لیے کیے گئے تھے۔ ایک سیاسی جماعت نے پہلے قومی اسمبلی چھوڑی اور پھر دو صوبائی اسمبلیاں تحلیل کر دیں۔ بعدازاں، حزبِ اختلاف نے قومی اسمبلی میں واپسی کی کوشش کی تو حکومت میں شامل کئی افراد نے اِس عمل کو ناکام بنانے کی کوشش کی اور رکاوٹیں پیدا کیں۔

ایچ آر سی پی کی یہ سوچی سمجھی رائے ہے کہ پنجاب اور کے پی کی اسمبلیوں کی تحلیل سیاسی فائدہ اُٹھانے کے لیے کی گئی تھی، مگر ہمیں الیکشن کمیشن آف پاکستان کے اِن اسمبلی انتخابات کو اکتوبر تک ملتوی کرنے کے فیصلے پر بھی تشویش ہے۔ ہم اِن جائز خدشات سے بھی آگاہ ہیں کہ اِس قسم کے فیصلے مستقبل میں جمہوری عمل کو پٹڑی سے اتارنے کے لیے بطورِ نظیر استعمال ہو سکتے ہیں۔ اگرچہ ایچ آر سی پی کا ماننا ہے کہ آئین ایسے حل فراہم کرتا ہے جو انتخابات میں تاخیر کو جائز قرار دے سکتے ہیں، لیکن اس میں کوئی دورائے نہیں کہ ایسی کوئی بھی تاخیر ممکنہ حد تک مختصر، ناگزیر اور تاخیر کے مقاصد کے حصول کی حد تک ہو۔ چنانچہ، تمام سیاسی جماعتوں اور فریقین کے درمیان اِس طرح کی تاخیر کے جواز پر اتفاق رائے ہونا ضروری ہے۔ انہیں یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ ایک ناپسندیدہ عمل ہے جسے کسی بھی صورت دہرانا نہیں چاہیے۔ انتخابی عمل کو بھی آزادانہ، منصفانہ، معتبر اور شفاف ہونا چاہیے اور نتائج تمام سیاسی فریقین کے لیے قابلِ قبول ہوں۔

ایچ آر سی پی کو یہ جان کر مایوسی ہوئی ہے کہ عدلیہ نے اختیارات کی تین اداروں میں تقسیم کے آئینی اصول کا احترام نہیں کیا۔ اِس تاثر کو زائل کرنے کی ضرورت ہے کہ عدالتِ عظمیٰ آئین کی تشریح کرتے ہوئے اپنے اختیارات میں اضافہ کرتی ہے جس کے نتیجے میں دیگر جمہوری ادارے کمزور پڑ جاتے ہیں۔ عدلیہ کو اپنی خودمختاری، وقار اور ساکھ کو محفوظ کرنا چاہیے۔ اِسے دوسرے آئینی اداروں کے دائرہ کار میں مداخلت کی کسی بھی خواہش پر قابو پانا چاہیے اور اس کے بجائے ایسے تمام اداروں کو موقع دینا چاہیے کہ وہ اپنے آئینی دائرہ کار میں آنے والے مسائل خود حل کر سکیں، اور یوں اُن اداروں کے استحکام میں اُن کی مدد کرے۔ ہم یہ بھی پختہ یقین رکھتے ہیں کہ کسی بھی جانب سے غیر جمہوری مداخلت کی دھمکیوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ایچ آر سی پی نے سیاسی عناصر کی جانب سے پُرتشدد اور غیر قانونی رویے کی شدید مذمت کی ہے۔ اِس قسم کے رویے کا مقصد اپنے سیاسی ایجنڈے کے فروغ کے لیے بدنظمی پیدا کرنا ہے۔ بیک وقت، ایچ آر سی پی سیاسی جبر کے ایک ذریعہ کے طور پر ریاستی دھونس و دھمکی اور طاقت کے غیر ضروری استعمال کی بھی مذمت کرتا ہے۔ ہمیں یہ دیکھ کر شدید تشویش ہے کہ اِس دوران بغاوت کے نوآبادیاتی قوانین کا سہارا لیا گیا، سیاسی مخالفین کے خلاف دہشت گردی کے مقدمات درج ہوئے، لوگوں کو اُٹھا کر لاپتا کیا گیا، اور پیمرا کی غلط تجاویز اور اقدامات کے نتیجے میں اظہارِ رائے کی آزادی پر قدغنیں لگیں۔

آخری نکتہ یہ ہے کہ حالیہ بحران کی اَصل نوعیت سیاسی ہے قانونی نہیں۔ حزبِ اِختلاف اور حزبِ اِقتدار کے پاس اِس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں کہ وہ پاکستان کے عوام کے وسیع تر مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے اِس مسئلے کے حل کے لیے پارلیمان میں سنجیدہ اور بامعنی مذاکرات کریں۔

سابق فاٹا پانچ سال بعد بھی قومی دھارے میں شمولیت کا منتظر ہے

مغربی کے پی میں ایچ آر سی پی کا فیکٹ فائنڈنگ مشن اختتام کو پہنچا

خیبر پختونخوا (کے پی) میں ایک اعلیٰ سطحی فیکٹ فائنڈنگ مشن کے اختتام پر، پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے نئے ضم ہونے والے اضلاع کے باشندوں میں شدید مایوسی کا مشاہدہ کیا ہے، جو کہ اب بھی منتظر ہیں کہ ریاست ان علاقوں کو صوبے کے مرکزی دھارے میں لائے اور دستور کے تحت اُن کے شہری، سیاسی، سماجی اور معاشی حقوق کو تحفظ فراہم کرے۔

مِشن میں ایچ آر سی پی کی چیئر پرسن حنا جیلانی، وائس چیئر ایچ آر سی پی کے پی اکبر خان، اور ایچ آر سی پی کے ارکان جمیلہ گیلانی اور پروفیسر اعجاز خان شامل تھے۔ ٹیم نے بنوں، پشاور، خیبر اور سوات میں سول سوسائٹی کے اراکین، صحافیوں، وکلاء اور ضلعی انتظامیہ کے اہلکاروں سے گفتگو کی۔

مِشن کو 2018 میں 25ویں آئینی ترمیم کے بعد مغربی کے پی میں سول انتظامیہ اور منتخب نمائندوں کو اختیارات کی منتقلی میں غیر ضروری تاخیر پر تشویش ہے۔ انضمام جس کا بہت زیادہ چرچا کیا گیا، کا بنیادی مقصد جان و مال کا تحفظ، تعلیم اور صحت کی دیکھ بھال، پانی و بجلی، اور انصاف تک رسائی تھا، بشمول علاقے کی عدالتوں کے ذریعے۔ اگرچہ اس میں کچھ پیشرفت ہوئی ہے، لیکن یہ کام بہت سست روی کا شکار ہے۔

مِشن کے لیے خاص طور پر تشویش کا باعث کے پی میں عسکریت پسندی کا دوبارہ ظہور ہے، اور ماورائے عدالت قتل اور جبری گمشدگیوں کی اطلاعات نے صورتِ حال اور زیادہ گھمبیر بنا دی ہے۔ نئے ضم شدہ اضلاع میں سیکورٹی فورسز کی مسلسل موجودگی اور گرفت نے مقامی حکومت اور سول انتظامیہ کے اختیارات کو کمزور کیا ہے۔ اِس سے مقامی باشندے بھی فکرمند ہیں جن کا کہنا ہے کہ اگر اس خطے میں سیکورٹی فورسز کی موجودگی اتنی بڑے اور وسیع پیمانے پر رہتی ہے تو امن کیسے برقرار رہے گا؟ اِس تناظر میں، ایچ آر سی پی وسیع پیمانے کی سیلف سنسر شپ سمیت نقل و حرکت اور تقریر کی آزادی پر جاری پابندیوں کی اطلاعات سے پریشان ہے۔ مِشن کو جبری گمشدگی، حراستی قتل اور مختلف افراد کا جیل خانہ جات سے اغوا ہونے کی مسلسل اطلاعات پر نہایت تشویش ہے۔

ایچ آر سی پی نے حالیہ بلدیاتی انتخابات کا خیر مقدم کیا ہے، لیکن مشاہدہ کیا ہے کہ منتخب نمائندوں کو مناسب فنڈز نہ ملنے کی وجہ سے نظام شدید متاثر ہو رہا ہے، کئی مقامی نمائندوں نے شکایت کی ہے کہ ان کے پاس کام کرنے کی جگہ بھی نہیں ہے۔ درحقیقت، ایچ آر سی پی کو متعدد ذرائع سے موصول ہونے والے اِن الزامات پر شدید تشویش ہے کہ انضمام اور اس کے نتیجے میں ترقیاتی سکیموں کے لیے جو فنڈز مقامی حکام کو منتقل کیے جانے چاہیے تھے وہ بدعنوانی کی نذر ہو گئے ہیں یا پھر دوسرے علاقوں کو دے دیے گئے ہیں۔

بہر حال، مِشن خاص طور پر مزاحمت کے اس جذبے سے متاثر ہوا جسے سوات کے مقامی باشندوں نے اولسی پاسون (عوامی مزاحمت) کی شکل میں جاری رکھا ہوا ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ عسکریت پسندی کو مزید برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ نئے ضم ہونے والے اضلاع میں امن و امان کی بحالی کا عمل سست روی کے باوجود پولیس میں اصلاحات اور استعداد کار میں اضافے سے متعلق مضبوط پالیسیوں کی صورت میں نظر آتا ہے۔ سب سے بڑھ کر، ایچ آر سی پی کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ نئے ضم شدہ اضلاع کے نوجوان سیاسی لحاظ سے بہت زیادہ متحرک ہیں، جو ریاست سے جائز مطالبات کرنے کے لیے آزادیٔ اظہار اور پرامن اجتماع کے اپنے آئینی حق کو استعمال کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

[پریس ریلیز۔ سوات۔ 18 مارچ 2023]

جہدِ حق پڑھنے والے توجہ کریں

☜ آپ نے اس شمارہ کا مطالعہ کیا۔
جو خامیاں / کمزوریاں آپ کو نظر آئی ہوں۔ ان کی نشاندہی خط کے ذریعے سے کیجئے۔

☜ آپ بھی اپنے علاقے میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کی رپورٹ / اطلاع ہمیں اس رسالہ میں چھپنے والا رپورٹ فارم پُر کر کے بذریعہ ڈاک روانہ کر سکتے ہیں۔ حقائق اچھی طرح سے تصدیق کر کے لکھیں۔

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
''ایوانِ جمہور'' 107 - ٹیپو بلاک،
نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

HRCP کارکن متوجہ ہوں

''جہدِ حق'' کے لیے رپورٹ فارم کے مطابق کوائف پر مبنی رپورٹیں، خبریں، تصاویر اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں سے متعلق دیگر مواد مہینے کے تیسرے ہفتے تک پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے مرکزی دفتر میں پہنچ جانا چاہیے تا کہ یہ اگلے شمارے میں شائع کیا جا سکے۔

جہدِ حق کا تازہ شمارہ اور پچھلے شمارے ویب سائٹ پر موجود ہیں۔ پتہ:
www.hrcp-web.org

معاشی انصاف پر تیسرا عاصمہ جہانگیر میموریل لیکچر

ڈاکٹر پرویز طاہر، ماہر معاشی امور کا خصوصی خطاب

محترمہ چیئرپرسن،

قابلِ احترام مہمانانِ گرامی

خواتین وحضرات!

میں اپنی گفتگو کا آغاز پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے شکریہ سے کرنا چاہوں گا کہ کمیشن نے مجھے تیسرا عاصمہ جہانگیر میموریل لیکچر دینے کی دعوت دی۔ میرے لیے یہ امر باعث مسرت اور فخر ہے۔ عاصمہ جہانگیر کے بارے میں میرے ذہن میں جو ابتدائی نقوش محفوظ ہیں وہ ایک اسکول کی طالبہ کے ہیں۔ وہ حقوق کے غاصب ایوب خان کے خلاف طلبا تحریک کے دن تھے۔ مرحوم جسٹس صبیح الدین احمد اور میں گورنمنٹ کالج لاہور میں ماسٹرز کے طالبعلم تھے۔ وہ گلبرگ میں اپنے انکل ملک غلام جیلانی جو آمرانہ حکومت کو چیلنج کرنے کے حوالے سے جانے جاتے تھے، کی رہائش گاہ پر مقیم تھے۔ عام طور پر ہفتہ وار تعطیلات پر شام کے وقت، میں سیاسی گپ شپ کے لیے اپنی بائیک پر وہاں پہنچ جاتا۔ ہم گھر کے برآمدے میں پڑے ہوتے تھے تو دو جیلانی بچیوں سمیت جو کوئی بھی گھر میں داخل ہوتا یا باہر نکلتا تو ان کے ساتھ سلام دعا کا تبادلہ کرتے۔ اس سے بڑھ کر خوشی اور کیا ہوسکتی ہے کہ آپ ایسے فرد کی یادداشتیں منا رہے ہوں جسے آپ نے پہلے پہل اسکول کی طالبہ کے روپ میں دیکھا اور پھر ایسی شخصیت کے طور پر جانا جس نے نڈر قائد اور کمزور درماندہ لوگوں کے حقوق کی نامور علمبردار کی حیثیت سے ہم سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔

قابل احترام آئی اے رحمان، جو 1973-74 میں پاکستان ٹائمز میں مختصر عرصے کے لیے میرے رہبر بھی رہے، اور بے داغ جمہوریت پسند سینیٹر رضا ربانی کے بعد یہ لیکچر دینا میرے کے لے باعث اعزاز ہے۔ میں معاشی حقوق کی بنیادی حیثیت پر پہلے لیکچر میں آئی اے رحمان کے پیغام، اور دستور میں درج حقوق کی منظم پامالی پر سینیٹر ربانی کے افسوس پر کچھ مزید روشنی ہی ڈالوں گا۔

نوبل انعام یافتہ امرتیہ سین کے خیال میں عاصمہ جہانگیر کی عظمت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ سین کی عظیم کتاب 'انصاف کا تصور' میں معاشی انصاف کا پیمانہ تلاش کرنا مشکل ہے۔ کیا یہ آمدنی کی عدم مساوات ہے یا مواقع کی عدم مساوات؟ کیا یہ علاقائی عدم مساوات ہے جو 1971 میں اصل پاکستان کے ٹوٹنے اور موجودہ پاکستان میں بلوچستان کی پسماندگی کا باعث بنی؟ صنفی عدم مساوات کے بارے میں کیا خیال ہے؟

غربت کا ناسور؟ عام طور پر، آمدنی میں عدم مساوات کو معاشی ناانصافی کے اشارے کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آمدنی کی مساوات یا مواقع کی مساوات کی طرف کام کرنے کے نتیجے میں پالیسی کے مضمرات نے سرکاری شناخت حاصل کی۔

1948 میں اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے افتتاح کے موقع پر اپنی تقریر میں، ریاست کے بانی نے خبردار کیا کہ مغربی معاشی نظام "انسان اور انسان کے درمیان انصاف کرنے میں ناکام رہا ہے۔" تاہم، پہلے تین پانچ سالہ منصوبوں میں اس پیغام کو بالکل کوئی اہمیت نہ دی گئی۔ آکسفورڈ اور کیمبرج کالجوں میں نوآبادیاتی معاشیات میں تربیت یافتہ، نوکر شاہی نے پہلا منصوبہ بنایا جس کا مقصد معاشی ترقی کو سماجی ترقی پر ترجیح دینا تھا۔ سیاسی اتفاق رائے کے فقدان نے اسے دو سال تک موخر رکھا۔ 1958 میں فوجی بغاوت نے آپس کی محاذ آرائی میں گھرے سیاسی طبقے کو ایک طرف کر دیا۔ عسکری ریاست کی طرف سے انجام پانے والے اگلے دو منصوبوں کا ایک واضح فلسفہ تھا: حتمی مساوات کا راستہ ابتدائی عدم مساوات سے گزرتا ہے۔ بعدازاں، ان منصوبوں کے چیف معمار محبوب الحق نے اعتراف کیا کہ 1968 "میں جب کہ بین الاقوامی دنیا پاکستان کو ترقی کے ماڈل کے طور پر سراہا رہی تھی، یہ نظام نہ صرف سیاسی وجوہات کی بنا پر بلکہ معاشی بدحالی کی وجہ سے پھٹ گیا۔" "سماجی و اقتصادی مقاصد" کے مجموعے کے ساتھ چوتھے منصوبے کو شروع کرنے کی نیم دل کوشش ناکام ہوگئی۔ 1968-71 کے عرصے میں ایک علاقے کے زیر تسلط مرکزی عسکری ریاست کی طرف سے عوام اور خطوں کے ساتھ کی جانے والی مجموعی اقتصادی ناانصافی کے خلاف بڑے پیمانے پر تحریک کا مشاہدہ کیا گیا۔ خطے نے الگ تھلگ علاقے کا استحصال کیا۔ جمہوریت کی طرف واپسی نے معاشی انصاف کی فراہمی کے نظام پر اتفاق رائے کا موقع فراہم کیا تھا۔

1973 میں پاکستان کے پہلے جمہوری اتفاق رائے نے ایک دستور کو جنم دیا جس میں عوام کے حقوق اور ریاست کے فرائض کا تعین کیا گیا۔

افتتاحیہ میں، سماجی انصاف معاشی انصاف جس کا ذیلی حصہ ہے، اور مساوات معاشی مساوات جس کا ذیلی حصہ ہے اصولوں میں شامل کیے گئے جن کی پاسداری ہونی تھی: " جمہوریت، آزادی، مساوات، برداشت اور سماجی انصاف، جیسا کہ یہ اسلام میں طے ہیں، کی مکمل پاسداری ہوگی۔"

مواقع کی برابری کے علاوہ، معاشی انصاف کا بھی افتتاحیہ میں خاص ذکر ہے۔ ایک نظام قائم کیا جائے گا" جس میں قانون کی روشنی میں بنیادی حقوق بشمول مرتبے، مواقع کی برابری، اور قانون وعوامی اخلاقیات کے تابع معاشی وسیاسی انصاف، اور فکر، اظہار، عقیدے، ایمان، عبادت، انجمن

سازی۔

تعارفی حصہ اول میں، آرٹیکل 1 نے معاشی انصاف کے مرکزی نقطے 'استحصال کے خاتمے' کی توثیق کی ہے۔اس نے عہد کیا ہے کہ " ریاست ہر قسم کے استحصال کے خاتمے اور بنیادی اصول، ہر کسی سے اس کی صلاحیت اور ہر کسی کو اس کے کام کے عوض کے بتدریج اطلاق کو یقینی بنائے گی۔"

تمہید اور تعارف اچھے ارادوں کا اظہار ہیں۔ 1973 سے پہلے کی آئین سازی معاشی طور پر انصاف پسند معاشرے کی طرف بڑھانے کے حوالے سے اچھے ارادوں سے بھی محروم تھی۔ ارادہ تو یہ تھا کہ اقتصادی ترقی کو بڑھایا جائے۔ یہ ہدف تو حاصل ہو گیا لیکن صرف بائیس خاندانوں کے لیے، اور اس کے لیے سنگین معاشی ناانصافی کی بنیاد ڈالی گئی۔ مقصود نتائج کے حصول کے لیے حقوق کی قطعی حیثیت کو تسلیم کرنے، سوچی سمجھی پالیسیوں اور وسائل کی ضرورت ہوتی ہے۔1973 کے آئین کے تحت مطلوبہ نتائج کی طرف بڑھنے کے طریقے بتانے کی کوشش کی گئی۔

آئین کا ایک الگ حصہ، بنیادی حقوق اور پالیسی کے اصولوں پر توجہ مرکوز کرتا ہے جس میں وسیع پیمانے پر معاشی انصاف سے متعلق شعبے شامل ہیں۔ بنیادی حقوق کے تحت انسانی حقوق کا احاطہ کیا گیا۔معاشی، سماجی اور ثقافتی حقوق کے بین الاقوامی معاہدے، 1966 میں انسانی حقوق کے طور پر تسلیم کیے گئے بہت سے معاشی حقوق کو پالیسی کے اصولوں کا حصہ بنایا گیا۔

بنیادی حقوق کے باب 1 میں آرٹیکل 9-28 کا تعلق جائیداد کے حقوق کے تحفظ کے علاوہ سیاسی، قانونی اور سماجی شعبوں میں انسانی حقوق سے ہے۔کوئی بھی آرٹیکل اقتصادی انصاف پر براہ راست نہیں ہے۔

بنیادی حقوق کو ان کی معطلی اور ان سے متصادم قوانین کے نفاذ سے منع کرنے والی دفعات کے ذریعے تحفظ حاصل ہے۔ ان کی خلاف ورزی کے خلاف قانونی چارہ جوئی دستیاب ہے۔

تعلیم کے حق سے متعلق ایک نیا آرٹیکل 25A آئین (اٹھارویں ترمیم) ایکٹ، 2010 کے تحت داخل کیا گیا تھا۔ اس میں کہا گیا ہے:"ریاست پانچ سے سولہ سال کی عمر کے تمام بچوں کو قانون کے ذریعہ طے شدہ (طریقہ کار) کے تحت مفت اور لازمی تعلیم فراہم کرے گی۔" چونکہ یہ مواقع کی مساوات کی راہ ہموار کرتا ہے، یہ واحد بنیادی حق ہے جو معاشی انصاف کے دائرے میں آتا ہے۔

ادارہ تعلیم و آگہی (اے ایس ای آر) 2021 کی سالانہ رپورٹ تعلیم کی صورت حال کے مطابق، حق تعلیم کو بنیادی حق قرار دینے کے ایک دہائی کے بعد بھی 19 فیصد بچے اسکول سے باہر ہیں۔ 2010 میں، آرٹیکل 25الف سے ایک سال پہلے، 20% بچے اسکول سے باہر تھے۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا، پالیسی کے اصولوں پر باب 2 میں معاشی انصاف سے متعلق زیادہ تر حقوق کا ذکر ہے۔

آرٹیکل 32 کسانوں، مزدوروں اور خواتین کی نمائندگی کے ساتھ مقامی حکومتوں کو فروغ دینے کا مطالبہ کرتا ہے۔ موثر لوکل گورننس، ٹیکس کے اپنے اختیارات کے ساتھ، بنیادی عوامی خدمات کی فراہمی کا آزمودہ ذریعہ ہے۔

صوبوں کو 18ویں ترمیم کے تحت وفاقی حکومت سے اپنی خودمختاری اور ساتویں قومی مالیاتی کمیشن ایوارڈ کے تحت وسائل میں ان کا واجب الادا حصہ حاصل کرنے میں ساٹھ سال سے زیادہ کا عرصہ لگا۔اس کے نتیجے میں، ایسا لگتا ہے کہ، صوبوں کو مقامی سطح پر اختیارات کے ساتھ ذمہ داری کی منتقلی میں اور بھی زیادہ وقت لگے گا، آرٹیکل 140(1)الف کے اس تقاضے کے باوجود کہ "ہر صوبہ، قانون کے مطابق، ایک مقامی حکومت کا نظام قائم کرے گا اور سیاسی، انتظامی اور مقامی حکومتوں کے منتخب نمائندوں کو مالی ذمہ داری اور اختیار منتقل کرے گا۔" صوبوں نے قانون سازی میں اپنے پاؤں گھسیٹ لیے، مقامی مالیاتی کمیشنوں کے کام میں تاخیر کی اور عدالتوں کی مداخلت کے بعد ہچکچاتے ہوئے بلدیاتی انتخابات کرائے۔

- آرٹیکل 34 قومی زندگی میں عورتوں کی مکمل شمولیت کا تقاضا کرتا ہے۔

آرٹیکل 37 کے کئی حصے درج ذیل اقدامات کے ذریعے سماجی انصاف کے فروغ کا تصور پیش کرتے ہیں:

- پس ماندہ طبقوں یا علاقوں کے تعلیمی و معاشی مفادات کا فروغ
- ناخواندگی کا خاتمہ اور ممکن حد تک کم سے کم وقت میں مفت و لازمی ثانوی تعلیم کی فراہمی
- میرٹ کی بنیاد پر سب کو تکنیکی و پیشہ ورانہ تعلیم اور عام طور پر اعلی تعلیم تک رسائی
- کام کے منصفانہ و انسانی حالات کی فراہمی، یہ یقینی بناتے ہوئے کہ بچوں اور عورتوں کو ایسے پیشوں میں ملازمت پر نہ رکھا جائے جو ان کی عمر، جنس کے لیے موزوں نہیں ہیں، روزگار میں عورتوں کو زچگی فوائد دیے جائیں۔
- مختلف خطوں کے لوگوں کو تعلیم، تربیت، زرعی و صنعتی ترقی اور دیگر ذرائع سے اس قابل بنایا جائے کہ وہ ہر قسم کی ملکی سرگرمیوں میں مکمل حصہ لے سکیں۔
- حکومتی نظم و نسق کو لامرکزی بنایا جائے تاکہ عوام کی آسانی و سہولیات کے لیے حکومت کا نظام اچھی طرح چل سکے۔

خواتین و حضرات، جیسا کہ ہم دیکھ سکتے ہیں کہ یہ ایک جامع ایجنڈا ہے۔ معاشی انصاف کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو آرٹیکل 38 سماجی ترقی اور عوام کی معاشی فلاح و بہبود کے حوالے سے بہت متعلقہ آرٹیکل ہے۔ درج ذیل دفعات کے تحت، ریاست:

(الف) عام آدمی کے معیار زندگی کو بلند کر کے دولت اور وسائل پیداوار و تقسیم چند اشخاص کے ہاتھوں میں اس طرح جمع ہونے سے روک کر کہ اس سے مفاد عامہ کو نقصان پہنچے اور آجر و ماجور اور زمیندار اور مزارع کے درمیان حقوق کی منصفانہ تقسیم کی ضمانت دے کر بلا لحاظ جنس، ذات، مذہب یا نسل عوام کی فلاح و بہبود کے حصول کی کوشش کرے گی؛

(ب) تمام شہریوں کے لیے، ملک میں دستیاب وسائل کے اندر، معقول آرام و فرصت کے ساتھ کام اور مناسب روزی کی سہولتیں مہیا کرے گی؛

(ج) پاکستان کی ملازمت میں، یا بصورت دیگر تمام

اشخاص کو لازمی معاشرتی بیمہ کے ذریعے یا کسی اور طرح معاشرتی تحفظ مہیا کرے گی؛

(د) ان تمام شہریوں کے لیے جو کمزوری، بیماری یا بے روزگاری کے باعث مستقل یا عارضی طور پر اپنی روزی نہ کما سکتے ہوں بلا لحاظ جنس، ذات، مذہب یا نسل بنیادی ضرورت زندگی مثال کے طور پر خوراک، لباس، رہائش، تعلیم اور طبی امداد مہیا کرے گی؛

(ہ) پاکستان کی ملازمت کے مختلف درجات میں اشخاص سمیت افراد کی آمدنی اور کمائی میں عدم مساوات کو کم کرے گی۔

حکمت عملی کے اصولوں کی طویل فہرست مناسب پالیسیوں کی تشکیل کا تقاضا کرتی ہے۔ آرٹیکل 29 (الف) کے مطابق "مملکت کے ہر شعبے اور ہیئت مجاز کی اور مملکت کے کسی شعبے یا ہیئت مجاز کی طرف سے کار ہائے منصبی انجام دینے والے ہر شخص کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان اصولوں کے مطابق، جہاں تک کہ وہ اس شعبے یا ہیئت مجاز کے کار ہائے منصبی سے تعلق رکھتے ہوں، عمل کرے۔ پالیسیوں کے اس بہت بڑے مجموعے کے لیے وسائل کی فراہمی ایک بڑا چیلنج ہے۔ آرٹیکل 29 (2) ایک شرط لاگو کرتا ہے: "جہاں تک حکمت عملی کے کسی مخصوص اصول پر عمل کا انحصار اس غرض کے لیے وسائل کے میسر ہونے پر ہو تو وہ اصول ان وسائل کی دستیابی پر مشروط تصور کیا جائے گا۔

چنانچہ آپ زیادہ ادا کریں گے تو لوگ آپ کے لیے کام کرنے میں دلچسپی ظاہر کریں گے۔ بدقسمتی سے، 1973 کے دستور کے نفاذ سے اپنائی گئی لگاتار غیر معقول مالی پالیسیوں نے پاکستان کو 23 مرتبہ آئی ایم ایف کی مدد مانگنے پر مجبور کیا۔ مالی برس 1976 میں، مالی خسارہ جی ڈی پی کا نو اعشاریہ چھ فیصد تھا۔ 1980 کی دہائی میں میں اوسطاً سات فیصد تھا، 1990 کی دہائی میں چھ اعشاریہ آٹھ فیصد، 2000 کی دہائی میں چار اعشاریہ چار فیصد، اور 2010 میں چھ اعشاریہ پانچ فیصد تھا۔ مالی برس 2022 میں مالی خسارہ جی ڈی پی کا سات اعشاریہ نو فیصد تھا، اور اس کے ساتھ ساتھ موجودہ اکاؤنٹ خسارہ جی ڈی پی کا چار اعشاریہ چھ فیصد تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ ملک کو قرضوں کی واپسی، پنشنوں کی ادائیگی اور ترقیاتی کاموں کے لیے ادھار لینا پڑا۔ معاشی انصاف کی پالیسیوں کے فروغ کے لیے بہت کم سرمایہ تھا۔

وسائل کی کمی کی وجہ سے ریاست جو نہیں کر سکتی وہ کرنے کی پابند نہیں ہے، مگر یہ زیادہ سرمائے کے بغیر بھی جو کچھ کر سکتی ہے وہ تو کم از کم کرتی۔ معاملات رپورٹ کرنے کی دستوری شرط موجود ہے۔ آرٹیکل 29 (3) تقاضا کرتا ہے کہ "ہر سال

کی نسبت، صدر وفاق کے امور کے متعلق، اور ہر صوبے کا گورنر اپنے صوبے کے امور کے متعلق، حکمت عملی کے اصولوں پر عمل کرنے اور ان کی تعمیل کرنے کے بارے میں ایک رپورٹ تیار کرائے گا، اور مجلسِ شوریٰ کا ہر ایک ایوان (پارلیمان) یا صوبائی اسمبلی کے سامنے، جیسی بھی صورت ہو، پیش کرائے گا، اور مذکورہ رپورٹ پر بحث کے لیے قومی اسمبلی اور سینٹ یا صوبائی اسمبلی کے، جیسی بی صورت ہو، قواعد ضابطہ کار میں گنجائش رکھی جائے گی۔"

خواتین وحضرات، یقین کریں یا نہ کریں، وفاقی وصوبائی دونوں حکومتوں نے حکمت عملی کے اصولوں کی پاسداری ونفاذ سے متعلق رپورٹ پچھلے کئی برسوں سے جمع نہیں کروائیں۔

بنیادی حقوق کی پامالی کے خلاف عدالتی کارروائی ہوسکتی ہے، مگر ہم نے ایک بھی ایسی کارروائی نہیں دیکھی جو آرٹیکل 25 (الف) کے نفاذ میں سنگین غفلت کے خلاف کی گئی ہو۔ یا، کیا یہ بنیادی حقوق بھی وسائل کی دستیابی کے تابع ہے؟ حکمت عملی کے اصولوں کے معاملے میں، عدالتوں نے بنیادی حقوق کو اصولوں کے تناظر میں دیکھنا شروع کیا ہے۔ اکتوبر 2021 میں، کارکنوں کے ایک گروپ نے آرٹیکل 29 (3) کی عدم پاسداری کے خلاف عدالتِ عظمیٰ میں پٹیشن دائر کی۔ ان کا نکتہ یہ تھا کہ "مطلوبہ رپورٹس پارلیمان یا صوبائی اسمبلیوں کے سامنے نہ رکھ کر قوم کو ملکی کی سالانہ ترقی کو جاننے کے حق سے محروم رکھا گیا ہے۔" یہ وفاقی وصوبائی حکومتوں کی طرف سے عوام کے ساتھ دھوکہ دہی کے مترادف ہے۔ بینظیر کیس میں 1998 کے ایک فیصلے کا حوالہ دیتے ہوئے، پٹیشنرز نے مؤقف اپنایا کہ "کئی مواقع پر عدالت عظمی نے کہا ہے کہ بنیادی حقوق کے نفاذ کو حکمت عملی کے اصولوں کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے گا تا کہ ایک منصفانہ معاشرہ قائم ہو سکے۔

اگست 2021 میں بھائیوں کی طرف سے بہن کو وراثتی حق سے محروم کرنے کے ایک مقدمے میں، قاضی فائز عیسیٰ نے کہا کہ "عورتوں کی معاشی محرومی انہیں "زندگی کے تمام شعبوں میں" مکمل حصہ لینے سے روکتی ہے، جو کہ ایک اصول ہے جس کی پامالی ہوئی ہے''۔ ریاست کو ''اصولوں کی پاسداری کرنا ہوگی' اور آرٹیکل 29 (3) کا احترام کرنا ہوگا۔

عدالتی ایکٹیوازم نے بنیادی حقوق کے آرٹیکل 9 میں ایسے حقوق کے انتظام وانصرام کے لیے ایک بنیادی اصولوں معلوم کیا جو حکمت عملی کے اصولوں کی رو سے عدالتوں کے ذریعے ناقابل نفاذ ہیں یا ان کے لیے دستیاب وسائل کم ہیں۔ "فرد کی سلامتی" کے حوالے سے، یہ آرٹیکل کہتا ہے: کسی فرد کو زندگی یا آزادی سے محروم نہیں کیا جائے گا ماسوائے اس کے کہ قانون اس کی اجازت دیتا ہو"۔

آرٹیکل 184 (3) کی رو سے، "آرٹیکل 199 کے احکام پر اثر انداز ہوئے بغیر، عدالتِ عظمیٰ کو، اگر وہ سمجھے کہ حصہ دوم کے باب اول کے ذریعے تفویض شدہ بنیادی حقوق میں سے کئی حق کے نفاذ کے سلسلے میں عوامی اہمیت کا کوئی سوال درپیش ہے، مذکورہ آرٹیکل میں بیان کردہ نوعیت کا کوئی حکم صادر کرنے کا اختیار رہو گا۔"

یہاں اس سے بھی زیادہ متعلقہ مقدمہ حقوق کی کارکن شہلہ ضیاء بنام واپڈا 1994 ہے جس میں عدالتِ عظمیٰ نے فیصلہ کیا کہ حق زندگی میں صحت مند ماحول کا حق بھی شامل ہے۔

'حق زندگی کی تشریح کو وسعت دینا والی عدالتی اکٹیوازم پسے ہوئے لوگوں کے مصائب کم تو کرسکتا ہے، مگر پوری آبادی

کو معاشی انصاف فراہم نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ پہلے مذکور فیصلے میں قاضی عیسیٰ نے درست کہا تھا کہ 'ریاست کو حکمت عملی کے اصولوں کی مطابقت میں کارروائی کرنا ہوگی'، مگر یہ گذشتہ پچاس یا اس سے قریب ترین برسوں میں ایسا کرنے میں ناکام رہی ہے۔ عدالت کے حوالے سے بھی یہی کچھ کہا جا سکتا ہے۔ آرٹیکل 38 (الف) کی مثال سامنے رکھیں: "عام آدمی کے معیار زندگی کو بلند کر کے، دولت اور وسائل پیداوار و تقسیم چند اشخاص کے ہاتھوں میں اس طرح جمع ہونے سے روک کر کہ اس سے مفاد عامہ کو نقصان پہنچے اور آجر و ماجور اور زمیندار اور مزارع کے درمیان حقوق کی منصفانہ تقسیم کی ضمانت دے کر بلا لحاظ جنس، ذات، مذہب یا نسل، عوام کی فلاح و بہبود کے حصول کی کوشش کرے گی۔"

اس اصول کے فروغ کے لیے اراضی اصلاحات ایکٹ 1977 بنایا گیا۔ 1990 میں عدالت عظمیٰ کے شریعت اپیلیٹ کورٹ نے اسے اسلام کے منافی قرار دے کر رد کر دیا۔ عابد حسن منٹو صاحب نے اس فیصلے پر نظر ثانی کے لیے 2011 میں عدالت عظمیٰ میں ایک پٹیشن دائر کی۔

2013 سے پہلے اس پر سماعت نہ ہو سکی، اور ہماری تاریخ کے سب سے سرگرم چیف جسٹس نے شریعت اپیلٹ بنچ کے فیصلے کو مسترد کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

آرٹیکل 38 (ج): افراد کی آمدنی و مکائی میں فرق کم کیا جائے" میں معاشی انصاف کی جھلک نظر آتی ہے۔ 1973 میں حکمت عملی کے اصولوں کی منظوری سے پہلے معیشت آمدنی میں عدم مساوات پر مشتمل تھی۔ معاشی پالیسیوں کو مسلسل اصولوں کی روشنی میں نافذ کرنے اور پارلیمان کو پیش رفت سے مسلسل آگاہ رکھنے سے معاشی طور پر منصفانہ معاشرے کی راہ ہموار ہو گی۔ اس کے بجائے، توجہ ڈونر کی دی گئی حکمت عملیوں کے ذریعے غربت مین کمی پر دیا جا رہا ہے۔

یہ زیادہ حیران کن نہیں کہ ملک کو ایک فیصد جمہوریہ کا لقب ملا ہوا ہے۔ پاکستان نیشنل ہیومن ڈیولپمنٹ رپورٹ 2020 کے مطابق، آبادی کے ایک فیصد امیر ترین طبقے کا قومی آمدنی میں حصہ نو فیصد ہے اور غریب ترین ایک فیصد کا صرف صفر اعشاریہ پندرہ فیصد ہے۔ دوبارہ، امیر ترین دس فیصد کی غریب ترین دس فیصد سے نو اعشاریہ بیالیس فیصد زیادہ آمدنی ہے۔ یا صورت حال 1960 کی دہائی میں ٹرکل ڈاؤن (ٹرکل ڈاؤن کا مطلب ہے کہ مالدار طبقے کو مراعات فراہم کرنا اور اس طرح آپ معیشت کی شرح نمو میں اضافہ لا سکتے ہیں اور وہ جو مال بنائیں گے اس کا ایک حصہ نچلے طبقے تک آئے گا، اور روزگار کی فراہمی ممکن ہو سکے گی) کی ناکامی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ درحقیقت، صورت حال اس سے بھی زیادہ بری ہے کیونکہ شرح نمو ہے ہی نہیں۔ اب ٹرکل ڈاؤن کرنے کے لیے کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ موجودہ برس، جی ڈی پی دو فیصد سے بھی کم رہنے کی توقع ہے جس کا مطلب فی فرد آمدنی میں کمی ہے۔

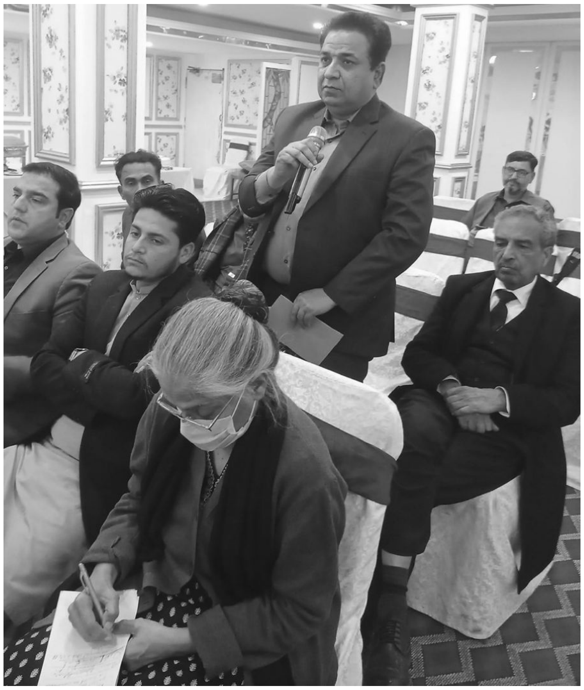

خود کفیل جامع ترقی حاصل کرنے میں مختلف ادوار میں بننے والی حکومتوں کی ناکامی نے ہم پر بوجھ لاد دیا ہے جو ہیومن رائٹس واچ کے بقول۔ ''تاریخ کا بدترین معاشی بحران' ہے۔

ایک آئی ایم ایف پروگرام، اب تک کی سخت ترین شرائط کے ساتھ شروع ہونے والا ہے۔ اس کے نتیجے میں ہونے والی کفایت شعاری اور ایڈجسٹمنٹ، اضافی ٹیکس محصولات اور قیمتوں میں شدید اضافے کے باعث جی ڈی پی کی شرح نمو کم رہے گی اور افراط زر 35-40 فیصد کی حد تک بڑھے گا۔

خواتین وحضرات،

سیاسی عدم استحکام، سماجی دھڑے بندی، اور غیر مستحکم معاشی حالات کے موجودہ دور میں، معاشی انصاف پر گفتگو کیسے کریں؟

درمیانی عرصے میں، مقصد قربانی کے بوجھ کی منصفانہ تقسیم ہونا چاہیے۔ اس مقصد کے لیے، درج ذیل اقدامات کیے جائیں:

ایک کھرب سے زائد ٹیکس اخراجات مراعات یافتہ اشرافیہ پر خرچ ہوتے ہیں۔ یہ فوری طور پر ختم ہوں اور رقم بے نظیر انکم اسپورٹ پروگرام کو دی جائے اس شرط کے ساتھ کہ یہ رقم حکمت عملی کے اصولوں کے اطلاق پر صرف ہو تا کہ پسے ہوئے طبقوں کے زندگیوں اور ذرائع معاش پر براہ راست بہتر اثرات مرتب ہوں۔

بڑے زمین داروں کی آمدنی کو ریگولر انکم ٹیکس کے دائرے میں لایا جائے۔

دولت ٹیکس، وراثتی ٹیکس اور جائیداد کے محصولات کو دوبارہ لاگو کیا جائے۔

براہ راست محصولات میں اضافہ نہ کیا جائے۔

وفاقی حکومت کا حجم اٹھارہویں ترمیم کی مطابقت میں کم کیا جائے۔

چونکہ وفاقی ترقیاتی اخراجات کے لیے مکمل سرمایہ ادھار کی رقم سے فراہم ہوتا ہے، اسے بجٹ متوازن ہونے تک صفر تک لایا جائے۔

دفاع کے اخراجات ضرورت سے زیادہ ہیں۔ ان میں مناسب کمی کی جائے۔

صوبے 50 فیصد ترقیاتی بجٹ مختص کریں اور آرٹیکل 25 (الف) کی مکمل پاسداری کرتے ہوئے دو برس کے اندر اتنا موجودہ بجٹ فراہم کریں۔

پراپرٹی ٹیکس مکمل طور پر مقامی حکومتوں کو منتقل کیا جائے تا کہ عوام کو سہولیات کی مؤثر فراہمی یقینی ہو

موجودہ اکاؤنٹ خسارے سے نپٹنے کے لیے علاقائی تجارت کھولی جائے۔

درمیانی مدت کے بعد، معاشی انصاف کی راہ کی طرف اٹھنے والے کسی بھی سنجیدہ قدم کو آمدنی میں عدم مساوات کو کم کرنے پر توجہ مرکوز کرنی ہوگی۔ زیادہ اقتصادی ترقی اس کا جواب نہیں ہے، جیسا کہ چینی تجربہ ظاہر کرتا ہے۔ زیادہ ترقی نے شدید غربت کو کم کیا، لیکن عدم مساوات میں اضافہ ہوا۔

درحقیقت، آمدنی کی تقسیم جتنی زیادہ مساوی ہو گی غربت کو کم کرنے کے لیے ترقی کی صلاحیت اتنی زیادہ بڑھے۔ دوسرے ممالک میں کیے گئے تجربات سے پتہ چلتا ہے کہ یونیورسل بنیادی آمدنی (یو بی آئی) کی حکمت عملی عدم مساوات کو کم کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔

خواتین وحضرات، آپ کے صبر و تحمل کے لیے میں آپ کا مشکور ہوں۔

☆☆☆

گوجرانوالا اور وزیرآباد میں اقلیتوں کی جائے عبادات پر حملے

ایچ آر سی پی کی فیکٹ فائنڈنگ رپورٹ (جنوری) 2023

باغبانپورہ، گوجرانوالا میں احمدی عبادت گاہ کے مینار مسمار کیے گئے

تعارف

پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق (ایچ آر سی پی) نے 2022 کے دوران پنجاب میں جماعت احمدیہ کے ارکان پر ظلم وستم میں تشویشناک اضافے کا مشاہدہ کیا ہے۔اس میں احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی، احمدیوں کی عبادت گاہوں کے میناروں کی مسماری، کمیونٹی کے افراد کے خلاف عید کے موقع پر جانوروں کی قربانی کرنے پر فرسٹ انفارمیشن رپورٹس (ایف آئی آر) کا اندراج، کمیونٹی کے افراد کے گھروں سے قرآنی آیات کو زبردستی ہٹانے، اور یہاں تک کہ عقیدے کی بنیاد پر قتل کے واقعات شامل ہیں۔ رپورٹ شدہ زیادہ حملے پنجاب — اور خاص طور پر گوجرانوالہ اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں کیے گئے ہیں۔مزید تشویشناک یہ الزام ہے کہ ایسی کارروائیاں پولیس اور سول انتظامیہ کے اہلکاروں کے ایماء پر کی گئی ہیں۔

12 دسمبر 2022 کو ضلعی انتظامیہ نے گوجرانوالہ کے علاقے باغبانپورہ میں ایک احمدیہ بیت الذکر (عبادت گاہ) کے میناروں کو مقامی مذہبی تنظیموں کی جانب سے شکایات موصول ہونے کے بعد مسمار کیا۔ ہمسائے علاقے وزیرآباد میں، پولیس اہلکاروں نے بیت الذکر کے میناروں کو مسمار کیا۔ اس سے قبل، جولائی 2022 میں، عیدالاضحیٰ سے چند روز قبل، پولیس اہلکاروں نے دو مقامی باشندوں کے ساتھ مل کر تلونڈی کھجوروالی میں جماعت احمدیہ کے ارکان کی 53 قبروں کی بے حرمتی کی۔ صرف اُسی سال شہر میں اس طرح کا چوتھا واقعہ تھا۔(مشن کی تکمیل کے بعد 12 فروری 2023 کو تلونڈی کھجوروالی میں قبروں کی بیحرمتی کا ایک اور واقعہ پیش آیا۔

ان واقعات اور مقامی احمدیہ کمیونٹی کی طرف سے ایچ آر سی پی کے پاس درج کی گئی شکایات کی روشنی میں، ادارے نے حالات و واقعات کی کھوج لگانے کے لیے ایک فیکٹ فائنڈنگ مشن کا انعقاد ضروری سمجھا۔اس مشن میں ایچ آر سی پی پنجاب کے وائس چیئرمین راجہ اشرف، صحافی فاطمہ رزاق، ایچ آر سی پی سٹاف ممبر زرناب عادل جنجوعہ اور ایچ آر سی پی ممبران طاہر بشیر اور روبینہ غزل شامل تھے اور یہ 31 جنوری 2023 کو گوجرانوالہ اور وزیرآباد میں کیا گیا۔

مشن کے قواعد وضوابط

☆ مشن کے قواعد وضوابط درج ذیل تھے:

☆ گوجرانوالہ اور وزیرآباد اور آس پاس کے دیہاتوں میں جماعت احمدیہ کے ارکان پر ہونے والے ظلم وستم کی چھان بین کی جائے اور اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ ان کے بنیادی حقوق کی کس حد تک پامالی ہو رہی ہے۔

درج ذیل امور کے جائزے پر خاص توجہ دی جائے گی:

(الف) احمدیوں کی عبادت گاہوں کی مسماری،

(ب) علاقے میں احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی،

(ج) احمدیہ برادری کے افراد کی ہراسانی، یا عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی جیسی مذہبی رسومات ادا کرنے پر ان کے خلاف درج ایف آئی آر، اور

(د) جماعت کے ارکان پر حملے

☆ ظلم وستم پر سول انتظامیہ کے ردعمل کا جائزہ لیا اور اور معلوم کیا جائے کہ کس حد تک اہلکار خود اس بدسلوکی کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔

☆ اُن سماجی، سیاسی وجوہات کا اندازہ لگایا جائے جن کی وجہ سے جماعت کے ارکان کے خلاف نفرت بڑھ رہی ہے۔

☆ دیکھا جائے کہ کیا کمیونٹی نے قانونی چارہ جوئی کا کوئی راستہ اختیار کیا ہے۔

فیکٹ فائنڈنگ کی مشق

اسسٹنٹ کمشنر (سٹی) گوجرانوالہ سے ملاقات

31 جنوری کو صبح ساڑھے نو بجے گوجرانوالہ پہنچنے کے بعد ٹیم سیالکوٹ روڈ پر واقع ڈپٹی کمشنر آفس کی طرف روانہ ہوئی جہاں سٹی اسسٹنٹ کمشنر سے پہلی ملاقات ہوئی۔انہوں نے مشن کو باغبانپورہ کے علاقے میں میناروں کے انہدام کے بارے میں سول انتظامیہ کا مختصر موقف پیش کرتے ہوئے ایک صفحے پر مشتمل بریفنگ فراہم کی۔انہوں نے وضاحت کی کہ مقامی بریلوی اور دیوبندی مذہبی رہنماؤں اور سیاسی جماعت تحریک لبیک پاکستان (ٹی ایل پی) کے اراکین نے تقریباً ایک سال قبل بیت الذکر کے میناروں پر اعتراض کیا تھا۔اے سی نے مشن کو بتایا کہ ان جماعتوں نے اصرار کیا تھا کہ مینار مساجد کی امتیازی خصوصیت ہیں اور احمدیوں کو 'آئینی طور پر' ان کی تعمیر سے منع کیا گیا ہے۔(ایچ آر سی پی واضح کرتا ہے کہ ایسی کوئی آئینی پابندی نہیں ہے)۔انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ معاملہ ڈسٹرکٹ انٹیلیجنس کمیٹی اور امن کمیٹیوں کے سامنے اٹھایا گیا تھا۔انہوں نے کہا کہ مؤخر الذکر کو مختلف فرقوں اور مذاہب کی نمائندگی حاصل ہے جن میں احمدیہ کمیونٹی کے افراد بھی شامل ہیں۔ شکایت کنندگان کو مطمئن کرنے کے لیے، ضلعی انتظامیہ اور دونوں

کمیٹیوں نے اکتوبر 2022 میں میناروں کو تقریباً چار فٹ چوڑی اسٹیل شیٹ سے ڈھانپنے کا فیصلہ کیا۔

انہوں نے کہا کہ نومبر 2022 کے آخر تک، مقامی ٹی ایل پی قیادت نے ایک بار پھر دھمکی دی کہ اگر میناروں کو فوری طور پر مسمار نہ کیا گیا تو وہ پرتشدد احتجاج شروع کر دیں گے اور جماعت کے ارکان کی املاک کو تباہ کر دیں گے۔ اے سی نے وضاحت کی کہ میناروں کو ہٹانے کا فیصلہ صرف شدید بدامنی کو روکنے کے لیے کیا گیا تھا۔ مقامی انتظامیہ نے دسمبر کے اوائل میں میناروں کو گرانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ فیصلے سے پہلے کے دنوں میں ٹی ایل پی افسران پر دباؤ ڈالنے کے لیے ضلعی انتظامیہ کے دفاتر میں ہجوم لاتے تھے اور اعتراف کیا کہ احمدیہ برادری سے متعلق پچھلے کیسز میں بعض افسران نے غفلت برتی تھی۔

انہوں نے دعویٰ کیا کہ مقامی احمدیہ برادری کو اس فیصلے سے آگاہ کر دیا گیا تھا اور وہ میناروں کی مسماری پر رضامند ہو گئے تھے۔ اس معاہدے کی روشنی میں، انہوں نے اس حقیقت پر افسوس کا اظہار کیا کہ انہدام کی ایک ویڈیو سوشل میڈیا پر اپ لوڈ کی گئی اور اسے 'مذہبی جذبات کو بھڑکانے' کے لیے استعمال کیا گیا۔ آخر میں، انہوں نے مزید کہا کہ ان کے تجربے کے مطابق، گوجرانوالہ نمایاں طور پر پرامن تھا، وہاں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کافی زیادہ تھی، لیکن حالیہ برسوں میں انتہا پسند مذہبی گروہوں کے عروج نے احمدیہ مخالف ظلم وستم کو فروغ دیا ہے۔

ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ (جنرل) سے ملاقات

اس کے بعد مشن ایڈیشنل ڈپٹی کمشنر (اے ڈی سی) کے دفتر گیا جہاں اسسٹنٹ کمشنر (صدر) بھی موجود تھے۔ اے ڈی سی نے اپنی گفتگو شروع کرتے ہوئے کہا کہ انہیں جو کچھ مجبوراً کرنا پڑا اس پر وہ شرمندہ ہیں، لیکن ممکنہ طور پر جان لیوا تشدد کا خطرہ ان کے سروں پر منڈلا رہا ہے، مقامی انتظامیہ کے پاس اور کوئی چارہ نہیں بچا تھا۔ ان کی رائے میں میناروں کو گرانے کے فیصلے نے جماعت کے ارکان کو ہجوم کے تشدد سے بچایا ہے۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ ٹی ایل پی کا عروج حکومت کا ہجوم کی حکمرانی کے آگے بے بسی کا نتیجہ ہے، اور حکومت ریاست کے بجائے سیاسی جماعتوں کے کارکنان کے ادارے کے طور پر کام کرتی ہے۔ فیصلہ سازی کے عمل کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ 1984 کے آرڈیننس XX اور آئینی دفعات نے شکایت کنندگان کو ان کے مطالبات کے لیے قانونی بنیاد فراہم کی۔ انہوں نے کہا کہ پڑوسی اضلاع میں اسی طرح کے کیسز کے معاملے میں سول انتظامیہ نے ایسے میناروں کو گرانے کا فیصلہ کیا تھا، اور ایسا کرنے کی نظیر قائم کی تھی۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ باغبانپورہ بیت الذکر اور وزیرآباد والا بیت الذکر تقریباً ایک صدی سے موجود تھا جس پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا تھا لیکن ٹی ایل پی نے اس موضوع کو سماجی، سیاسی تسلط کے لیے بطور ہتھیار استعمال کیا۔ انہوں نے اس بات کا اعادہ کیا کہ مقامی احمدیہ برادری نے انہدام پر رضامندی ظاہر کی تھی اور یہ فیصلہ برادری کے خلاف منظم احتجاج کی لہر سے بچنے کے لیے کیا گیا تھا۔

ایس ایس پی انویسٹی گیشن گوجرانوالہ سے ملاقات

ڈپٹی کمشنر کے دفتر سے، ٹیم سینئر سپرنٹنڈنٹ آف پولیس (ایس ایس پی) سے ملنے کے لیے سینٹرل پولیس آفس کی طرف روانہ ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ جماعت احمدیہ سے متعلقہ مقدمات میں ملوث نہیں اور انہیں صورتحال کا بہت کم علم ہے۔ اس موقع پر موجود پولیس عملے کے ایک رکن نے مزید کہا کہ ٹیم کو اے سی سے جو پہلے معلومات موصول ہوئی ہے وہ تمام سول انتظامیہ کے عہدیداروں کے سرکاری موقف کی نمائندگی کرتی ہے اور اس معاملے پر مزید بحث کی ضرورت نہیں۔

ایس ایس پی نے وضاحت کی کہ وہ صورتحال کی تفصیلات سے واقف نہیں لیکن انہیں یقین تھا کہ تمام فریقین کو ضرور لایا گیا ہوگا اور کوئی بھی فیصلہ امن وامان کے تحفظ کے لیے کیا گیا ہوگا۔ انہوں نے ڈسٹرکٹ انٹیلی جنس کمیٹی کی تشکیل کا خاکہ پیش کیا اور وضاحت کی کہ اس میں تمام اہم انٹیلی جنس اور سیکیورٹی ایجنسیوں کے نمائندے شامل ہیں۔ (ایچ آر سی پی کے علم میں آیا ہے کہ پنجاب ویجیلینس کمیٹیز ایکٹ 2016 کے تحت، ایسی کمیٹیوں میں سی پی او/آر پی او، ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر، انٹیلیجنس بیورو کا نمائندہ، سپیشل برانچ کا نمائندہ اور مقامی صوبائی اسمبلی رکن کا شامل ہونا ضروری ہے)۔

مقامی احمدیہ برادری سے ملاقات اور باغبانپورہ بیت الذکر کا دورہ

ٹیم نے ڈپٹی کمشنر کے دفتر کے باہر جماعت احمدیہ کے پانچ ارکان سے ملاقات کی اور ٹیم کو باغبانپورہ میں بیت الذکر کی طرف لے جایا گیا جہاں دسمبر 2022 میں مینار گرائے گئے تھے۔ جائے وقوعہ پر پہنچنے پر، ٹیم نے جماعت کے امیر (رہنما) گوجرانوالہ اور کمیونٹی کے دیگر افراد سے ملاقات کی اور انہیں منہدم ہونے والے مینار قریب سے دکھائے گئے۔ ایک ممبر نے وضاحت کی کہ بیت الذکر 1911 سے موجود ہے اور اس کے بعد سے ایک بار بھی اعتراض نہیں اٹھایا گیا۔ انہوں نے کہا کہ قومی سطح پر ٹی ایل پی کے سیاسی عروج سے پہلے، احمدیہ برادری کے ارکان پڑوس میں دوسرے گروہوں کے ساتھ پرامن طور پر رہ رہے تھے۔

ضلعی انتظامیہ کے اس دعوے کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں کہ جماعت احمدیہ انہدام میں شامل

تھی، برادری کے ایک وکیل نے اس سے اختلاف کیا۔ انہوں نے مشن کو بتایا کہ تین الگ الگ مواقع پر پولیس اور ضلعی انتظامیہ نے برادری سے کہا تھا کہ وہ خود مینار ہٹادیں جوانہوں نے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔اس کے بعد سادہ لباس پولیس اہلکاروں کی ایک ٹیم 11 جنوری 2023 کوعلی الصبح 1:55 بجے کرین کے ساتھ جائے وقوعہ پر پہنچی اور میناروں کومسمار کردیا۔

بیت الافیات کا دورہ

اس کے بعدٹیم جماعت کی ایک مقامی کمیونٹی اورتعلیمی مرکز بیت الافیات پہنچی، جہاں اسے 1974 اور 1984 میں منظور کیے گئے احمدیہ مخالف قوانین کی وجوہات سے آگاہ کیا گیااور یہ بھی بتایا گیا کہ یہ قوانین کس طرح سے غیرآئینی ہیں۔ٹیم کوگزشتہ برسوں میں ہونے والےظلم وستم کے واقعات کی ایک فہرست بھی فراہم کی گئی۔ایک مقامی کمیونٹی رہنما نے وضاحت کی کہ مذکورہ بالاقوانین آئین کے آرٹیکل 20 اور 22 سے متصادم ہیں۔انہوں نے کہا کہ ان کے وجود کومجرمانہ بنادیا گیا ہے،عوامی زندگی میں حصہ لینا پہلے ہی ناممکن تھالیکن نجی طور پران کے عقیدے پرعمل کرنا اب ناقابل تصور ہوگیا ہے۔انہوں نے 2022 میں جسٹس سید منصورعلی شاہ کی طرف سے لکھے گئے فیصلے کا حوالہ دیا،جس کے تحت احمدیوں پر نجی طور پراپنے مذہب کا دعویٰ کرنے اوراس پرعمل کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔اس کے باوجود وہ اپنے گھروں میں ایسا کرنے کے لیےآزادنہیں۔

انہوں نےٹیم کو بدسلوکی کے واقعات کی تفصیلی فہرست دی جو جماعت احمدیہ کو برداشت کرنا پڑی۔ مذکورہ واقعات کے علاوہ اس میں گوجرانوالہ کےقریب تلونڈی، موسیٰ خان میں مقبروں پرقرآنی آیات کندہ ہونے پرقبروں کی بےحرمتی، اور گجو چک، راہوالی اورگرمولا ورکاں میں بیت الذکر اور مکانات سے قرآنی آیات کو زبردستی ہٹانا شامل ہیں۔ اوراحمدیوں کے خلاف کوٹ مرزا جان اور قیام پورورکاں میں جانوروں کی رسمی قربانی کرنے پرایف آئی آر کا اندراج۔ انہوں نے احمدیہ مخالف لٹریچر کی تصاویربھی دکھائی جن میں شہرمیں تقسیم کیے گئے پمفلٹ اور پوسٹرزبھی شامل تھے۔

حال ہی میں ٹیم کو دی گئی ایک تفصیلی دستاویز میں ان واقعات میں سے ہرایک کی تصاویراورمتعلقہ عدالتی احکامات اورایف آئی آر کی نقول بھی شامل ہیں۔

جب کمیونٹی کی جانب سے اختیار کیے گئے قانونی راستے کے بارے میں سوال کیا گیا تو وکیل نے جواب دیا کہ 2014 میں گوجرانوالہ میں احمدی خاندان کے چھ افراد آتش زنی کے حملے میں مارے گئے تھے جس کے نتیجے میں

ہونے والی تحقیقات میں ایف آئی آر سے مرکزی ملزمان کے نام نکال دیے گئے تھے۔ حکام پر بریلوی مذہبی رہنماؤں کا دباؤ تھا۔اپنے نایاب قانونی اختیارات اور حکمت عملی کی وضاحت کرتے ہوئے وکیل نے تبصرہ کیا کہ عدالتوں میں جانا بیکار ہے کیونکہ فیصلے سے قطع نظر، ان کی شکایات کا اظہارعوام میں جماعت کے خلاف مضبوط اور منظّم مخالفت کا باعث بنے گا۔ٹیم کو یہ بھی بتایا گیا کہ جماعت کے ارکان کے خلاف درج مقدمات کی سماعتوں میں ٹی ایل پی کے ارکان گوجرانوالہ سیشن کورٹ میں کمرہ عدالت میں ہجوم اکٹھا کرتے تھے، احمدیہ مخالف نعرے لگاتے تھے، ججوں اور ان کے وکلاء کو کھلے عام دھمکیاں دیتے تھے اورانہیں اپناموٴقف پیش کرنے یا بنچ کے سامنے پیش ہونے سے روکتے تھے۔

جماعت احمدیہ کے رکن نے مشن کو وضاحت کی کہ سول انتظامیہ ٹی ایل پی کی طرف سے پرتشدد انتقامی کارروائیوں کے خوف سے کمیونٹی کے خلاف آسانی سے شکایات درج کرتی ہے۔ضلعی امن کمیٹی پر جماعت کے ایک رکن نے تبصرہ کیا کہ وہاں جماعت کی کوئی نمائندگی نہیں ہے کیونکہ دیگر اراکین جماعت کی مخالفت میں کھل کر بول رہے تھےاوراس کے ایک رکن نے اعلانیہ طور پر جماعت کے اراکین کو واجب القتل قرار دیا تھا۔احتجاجی انداز میں ٹیم کو بتایا گیا کہ پولیس جماعت کے ارکان پرمسلسل دباؤ ڈالتی ہے کہ وہ سوشل میڈیا پراحتجاج کرنے سے گریز کریں اورانہیں ایسے بیانات ریکارڈ کرنے پرمجبور کیا جاتا ہے کہ وہ عبادت گاہوں پر میناروں کوگرانے کے منصوبے سے واضح طور پرمتفق ہیں۔

راہوالی کا دورہ

وزیرآباد کے راستے میں،مشن ایک احمدی شخص سے ملنے کے لیے رکا جس پر 2022 میں راہوالی میں اپنے گھر کے قریب بکرے کی قربانی کرنے پرایف آئی آر درج کی گئی تھی۔

انہوں نے کہا کہ تین دیہات سے تعلق رکھنے والے ٹی ایل پی کے اراکین نے انہیں جانوروں کو گھر لاتے ہوئے دیکھ کر شکایت درج کرائی تھی۔اس شخص نے، جو فی الحال ضمانت پر رہا ہے، وضاحت کی کہ شکایت درج ہونے کے فوراً بعد، پولیس اس کی دیگر دو بکریوں کو لے گئی اورایف آئی آر میں اس کے چھ بچوں کوبھی شامل کرنے کی کوشش کی۔انہوں نے کہا کہ ابھی فرد جرم عائدنہیں ہوئی اور یہ کہ وہ گزشتہ چار دہائیوں سے اس علاقے میں امن سے رہ رہے تھے۔

موتی بازار، وزیرآباد میں بیت الذکر کا دورہ

ٹیم نے وزیرآباد میں بیت الذکر کا دورہ کیا جہاں چند ہفتے قبل اس کے مینار تباہ ہو گئے تھےاور تباہی کوقریب سے دیکھنے کے لیے انہیں چھت پر لے جایا گیا۔ جماعت احمدیہ کےایک مقامی رکن نے بتایا کہ کس طرح مقامی اسٹیشن ہاؤس آفیسر (ایس ایچ او) نے خود جماعت سے میناروں کوگرانے کے لیے بار بارکہا،لیکن وہ نہیں مانے تھے۔اس کے بعدانہوں نے وضاحت کی کہ ٹی ایل پی کے اراکین نے 'مسمار کرنے کا مطالبہ کرنے والے عدالتی حکم کو حاصل کرنے' میں کامیابی حاصل کی جوانہوں مقامی پولیس کے ہاتھ مضبوط بنانے کے لیے استعمال کیے۔، انہوں نے دعویٰ کیا کہ چند ہفتوں بعد، 11 جنوری 2023 کو سادہ لباس میں ملبوس پولیس والے بیت الذکر کی چھت پر چڑھ گئے اور میناروں کو تباہ کر دیا؛ یہ واقعہ سکیورٹی کیمروں نے ریکارڈ کر لیا تھا۔ انہوں نے وضاحت کی کہ ٹی ایل پی کا ایک مقامی رہنما حالیہ برسوں میں تیزی سے بااثر ہوگیا ہے۔انہوں نے ٹیم کو کچھ پوسٹرز بھی دکھائے جو میناروں کو ہٹانے پر ٹی ایل پی رہنما کو مبارکباد دینے کے لیے لگائے گئے تھے۔ مذکورہ ٹی ایل پی لیڈر مقامی احمدیوں کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے میں کامیاب رہا جسے جماعت عدالت سے خارج کروانے

میں ناکام رہی تھی کیونکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جج صاحب نے ٹی ایل پی کے اراکین کے ایک بڑے ہجوم کے دباؤ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تھے۔

جماعت کے رکن نے تبصرہ کیا کہ اس کا اور کمیونٹی کے دیگر افراد کا مسلسل پیچھا کیا گیا اور انہیں ہراساں کیا گیا۔ وہ اپنے بچوں کو چین سے سکول بھی نہیں لے جاسکتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ صرف جماعت کے ان ارکان کی مہربانی سے زندہ بچ گئے جو بیرون ملک ہجرت کر گئے تھے۔ متعدد ارکان نے سابق وزیراعلیٰ پرویز الٰہی کی احمدیہ مخالف بیان بازی اور پنجاب میں نکاح نامے میں 'احمدیہ مخالف' شق شامل کرنے پر شدید تحفظات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ کمیونٹی کو خدشہ ہے کہ انہیں ان کے مردہ دفن کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جائے گی: کمیونٹی کی ملکیتی آبائی زمین پر بنایا گیا ایک قبرستان ان سے پہلے ہی چھین لیا گیا ہیں اور اسی طرح کے واقعات آس پاس کے علاقوں میں ہو رہے ہیں۔ دیگر اراکین نے بتایا کہ کس طرح انہوں نے نادرا سے کمپیوٹرائزڈ قومی شناختی کارڈ (سی ای آئی سیز) حاصل کرنے کی کوشش کی تو رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔

جماعت کے امیر نے کہا کہ ایک مثالی دنیا میں احمدیہ مخالف قوانین منسوخ ہونے چاہییں۔ انہوں نے کہا کہ جماعت کے نمائندوں نے کئی بااثر سیاست دانوں، پالیسی سازوں، دانشوروں اور بیوروکریٹس سے نجی ملاقاتیں کیں۔ سبھی نے ان سے ہمدردی کا اظہار کیا مگر کوئی بھی ان کی مدد کے لیے آگے نہیں بڑھا کیونکہ وہ اپنی سلامتی کے بارے میں فکرمند تھے۔ انہوں نے عدالتوں میں جانے کو بیکار کہتے ہوئے کہا کہ یہ وہ چیز ہے جس سے ان کے سینئر رہنماؤں نے منع کیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ فوری طور پر ان کے خلاف مہم چلانے والے انتہا پسند مذہبی گروپ (ٹی ایل پی) کے خلاف کارروائی ہونا ضروری ہے تاکہ جماعت احمدیہ پر ان کے مظالم کا سلسلہ کم ہو سکے۔

ماحصل

اس فیکٹ فائنڈنگ مشق سے واضح ہوگیا ہے کہ حالیہ مہینوں میں جماعت احمدیہ کے ارکان پر ظلم وستم میں اضافہ ہوا ہے۔ صورتحال کا جائزہ لینے اور زیادہ تر فریقین سے بات کرنے کے بعد، ایچ آر سی پی کے مشن نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ گوجرانوالہ اور گردونواح کے اضلاع میں اس طرح کے واقعات مسلسل پیش آرہے ہیں۔ مثال کے طور پر احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی، ان کی عبادت گاہوں کی تباہی اور عید پر جانوروں کی قربانی پر درج ایف آئی آر کا اندراج۔ یہ احمدیوں کے بنیادی حقوق کی سنگین خلاف ورزی ہے۔

ظلم وستم پر سول انتظامیہ کے ردعمل کا جائزہ لینا بھی مشن کے مقاصد میں شامل تھا۔ مشن کے ساتھ اپنے انٹرویوز میں، سول انتظامیہ نے اس طرح کی کارروائیوں میں براہ راست ملوث ہونے کا اعتراف کیا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے ہجوم کے تشدد کے بڑھتے ہوئے خطرے کے پیش نظر ایسا کیا ہے، لیکن سول انتظامیہ نے جس طرح سے اس معاملے کو سنبھالا ہے اس سے احمدیہ برادری کے خلاف بڑھتی ہوئی عداوت کو اور زیادہ فروغ ملا ہے۔ اس سے علاقے میں احمدی باشندوں کو درپیش خطرات میں اضافہ ہوا ہے۔

مشن کو ضلعی انتظامیہ کی جانب سے بتایا گیا تھا کہ جماعت احمدیہ ضلعی امن کمیٹی کا حصہ ہے لیکن جماعت نے اس دعوے کی تردید کی ہے۔ افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اس مسئلے پر ضلعی امن کمیٹی کا مؤقف حاصل کرنے کی تمام کوششوں کے باوجود، اس کا کوئی بھی رکن تبصرہ کرنے کے لیے دستیاب نہیں تھا۔

مشن کو جس چیز پر تشویش ہے وہ ضلعی انتظامیہ کا یہ خیال ہے کہ کچھ قانونی اور آئینی دفعات اس قسم کے ظلم وستم کی گنجائش فراہم کرتی ہیں۔ اگرچہ مشن یہ سمجھتا ہے کہ مقامی بیوروکریسی، پولیس اور عدلیہ کو ایک مذہبی گروہ ڈرانے دھمکانے میں کامیاب رہا ہے، مگر ان کا ردعمل ظاہر کرتا ہے کہ وہ احمدی برادری کے بنیادی حقوق کے احترام کے حوالے سے امن وامان کی صورت حال کو کنٹرول میں میں بری طرح سے ناکام ثابت ہو رہے ہیں۔

یہ واقعات اور ان کے نتیجے میں ہونے والے اقدامات 2014 میں چیف جسٹس تصدق حسین جیلانی کے سنائے گئے عدالتِ عظمیٰ کے فیصلے کی براہ راست خلاف ورزی ہیں، جس میں مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں کی حفاظت کے لیے ایک خصوصی تربیت یافتہ، پیشہ ور پولیس فورس کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ مزید برآں، میناروں کو مسمار کرنا آئین کے آرٹیکل 20 (ب) کی بھی خلاف ورزی ہے، جس کے تحت ہر مذہبی فرقے یا مسلک کو اپنے مذہبی اداروں کے قیام، ان کی دیکھ بھال اور انتظام کرنے کا حق حاصل ہے۔ جسٹس سید منصور علی شاہ کے 2022 کے عدالتِ عظمیٰ کے فیصلے میں بھی واضح طور پر کہا گیا ہے کہ احمدیوں کا نجی طور پر اپنے عقیدے کا دعویٰ کرنے اور اس پر عمل کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے یا ایسا کرنا آئین کی روح کے منافی نہیں ہے۔

سفارشات

مشن مختصر، درمیانی اور طویل مدت کے لیے درج ذیل سفارشات پیش کرنا چاہے گا۔

- حکومت کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ سول انتظامیہ احمدیوں کے قبرستانوں، عبادت گاہوں اور کمیونٹی سینٹرز کو ان آئینی آزادیوں کے مطابق بھرپور سیکورٹی فراہم کرے جس کے وہ حقدار ہیں۔
- حکومت کو مناسب انفراسٹرکچر اور تربیت کے ذریعے ایسے حالات میں بلوائی تشدد کے خطرے سے نمٹنے کے لیے پولیس کی صلاحیت کو بڑھانا چاہیے اور اس ضمن میں انفراسٹرکچر بہتر کرنے اور پولیس کی تربیت پر توجہ دی جائے۔ کسی بھی صورت میں ہجوم کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اس سے پولیس جھوٹی ایف آئی آر درج کرنے سے بھی گریز کرے گی۔
- حکومت کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ سول انتظامیہ بشمول پولیس کو مذہبی اقلیتوں کے لیے قوانین اور آئینی تحفظات کا بخوبی علم ہو اور یہ کہ دونوں اپنے فرائض کی انجام دہی میں ایک ترقی پسند، حقوق پر مبنی نقطہ نظر اپنائیں۔ یہ ان کی تربیت کا حصہ ہونا چاہیے۔
- حکومت کو عدالتِ عظمیٰ کے 2014 کے فیصلے پر عمل درآمد کے لیے ٹھوس اقدامات کرنے چاہئیں۔ فیصلے میں مذہبی اقلیتوں کی عبادت گاہوں اور مذہبی اہمیت کے مقامات کی حفاظت کے لیے ایک خصوصی تربیت یافتہ پولیس فورس کی تشکیل کا حکم دیا گیا ہے۔
- قانون نافذ کرنے والے مقامی اداروں کو جماعت احمدیہ کے ارکان کو ہراساں کرنے میں ملوث گروہوں کے ارکان کے خلاف ضروری قانونی کارروائی کرنی چاہیے۔
- مقامی پولیس کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ جماعت کے اراکین آزادانہ طور پر نجی طور پر اپنے عقیدے کا دعویٰ کرنے اور اس پر عمل کرنے کے قابل ہوں، جیسا کہ فوجداری پٹیشن 916-L/2021 کے عدالتِ عظمیٰ کے فیصلے میں بیان کیا گیا ہے۔
- پولیس کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ جماعت کے ارکان بغیر کسی رکاوٹ کے عدالتی کارروائی میں حصہ لے سکیں اور عدالت کے احاطے میں ان کی حفاظت کو یقینی بنایا جائے۔
- ضلعی حکومتی عہدیداران جماعت کے ارکان کو ضلعی امن کمیٹی میں شامل کریں۔
- وفاقی حکومت اس بات کو یقینی بنائے کہ جماعت احمدیہ کو اقلیتوں کے قومی کمیشن میں نمائندگی حاصل ہو۔
- نادرا کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ جماعت کے ارکان شناختی کارڈ کے لیے آسانی سے درخواست دے سکیں اور وصول کرسکیں۔

پاکستان سمیت بیشتر ممالک میں اظہار رائے کی آزادی نہیں: ایچ آر سی پی

تربت مکران میں پاکستان کمیشن انسانی حقوق کے زیر اہتمام ''اظہار رائے کی آزادی کی صورت حال'' کے موضوع پر تربت پریس کلب میں سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس میں سیاسی وسماجی اور ادبی و مذہبی شخصیات نے بڑی تعداد میں شرکت کی، ایچ آر سی پی کے ریجنل کوآرڈی نیٹر معروف ادیب پروفیسر غنی پرواز نے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آزادی اظہار رائے کا بنیادی مقصد اخلاقی دائرے میں رہتے ہوئے زبانی، تحریر وتقریر اور آرٹ کی صورت میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا ہے۔اس کی بہت بڑی اہمیت ہے اس سے ایک دوسرے کے خیالات سمجھنے اور جانچنے میں مدد ملے گی، اس کی تاریخ ہے، زمانہ قدیم میں اظہار رائے پر کوئی قدغن نہیں دیکھی گئی، غلام دارانہ سماج کی تشکیل کے بعد اس پر بندش شروع ہوئی، حکمران طبقہ نے ایک پیمانہ مقرر کیا جس میں عام لوگوں کی رائے زنی پر پابندی لگائی گئی تاہم کافی مدت صبر کے بعد سماج نے بغاوت کی اور اپنی آزادی کے لیے قربانیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع کیا، اسپارٹکس، سقراط، برونو، منصور حلاج، جون آف آرک، قرۃ العین، ابراہیم لنکن، مہاتما گاندھی، اندرا گاندھی، نوروز خان، اور لالا عثمان کاکڑ جیسی باضمیر شخصیات نے جانی قربانی دی، پاکستان میں صرف ایک سال کے دوران 46 صحافی شہید، 18 زخمی اور 4 لاپتہ کیے گئے اور یہ جنگ ابھی تک جاری ہے، ترقی یافتہ اور باشعور معاشروں نے ان قربانیوں کے طفیل کافی ترقی کی مگر جہاں پر ترقی کی رفتار کم یا ست رہی وہاں حالات آج بھی بہتر نہیں ہوئے جن میں پاکستان بھی شامل ہے، یورپ اور امریکہ کے علاوہ ایشیا میں بھی متعدد ممالک نے اس حوالے سے کافی فائدہ اٹھایا سیکولر جمہوری نظام بنا کر سیاسی، معاشی اور ثقافتی ترقی کی۔ پی این پی عوامی کے مرکزی رہنما خان محمد جان لچکی اور سوشل ورکر ڈاکٹر سمی بلوچ نے کہا کہ ہمارے ملک میں رائے کی آزادی برائے نام ہے، صحافت کے لیے جتنے مشکل حالات اس وقت ہیں کبھی نہیں تھے، ٹی وی اور اخبارات پر قانون کا سہارا لے کر قدغن لگائی گئی ہے، آئین بدقسمتی سے اپنے تحفظ میں ناکام ہے، متعدد صحافی پابند سلاسل ہیں جبکہ فوجی آمریت کے ادوار میں صحافیوں کو کوڑے مارے گئے، تربت میں رزاق گل اور الیاس نظر شہید کیے گئے جو صحافی تھے۔

> ''اظہار رائے کی آزادی کی صورت حال'' کے موضوع پر تربت پریس کلب میں سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس میں سیاسی وسماجی اور ادبی و مذہبی شخصیات نے بڑی تعداد میں شرکت کی، ایچ آر سی پی کے ریجنل کوآرڈی نیٹر معروف ادیب پروفیسر غنی پرواز نے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ آزادی اظہار رائے کا بنیادی مقصد اخلاقی دائرے میں رہتے ہوئے زبانی، تحریر وتقریر اور آرٹ کی صورت میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا ہے۔

ڈپٹی ڈائریکٹر سوشل ویلفیئر قدیر لقمان نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ برطانوی کالونی کی حیثیت سے حکمران طبقہ کے خلاف رائے دینے پر پابندی عائد تھی، آج بھی عملی طور پر دنیا میں رائے کی آزادی محدود ہے، انسان کو قطعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ ان کے جی میں جو آئے وہ دوسروں کی دل آزاری کا سبب بنے حق اور فرض کے درمیان جو باریک لکیر ہے اسے سمجھ کر اپنا حق استعمال کرنا چاہیے، سماجی کارکن شکر اللہ یوسف نے کہا کہ جب کہیں کسی سماج میں انسانوں کو اپنی رائے کی آزادی میں رکاوٹ یا مشکلات کا سامنا کرنا پڑے وہاں انسانی حقوق اور سماجی شعور محدود ہو جاتی ہے، وہاں کا پریس سلف سنسر شپ لگانے پر مجبور ہو جاتی ہے، انہوں نے کہا کہ مکران میں انسانی حقوق اور آزادانہ رائے کے اظہار پر پابندی کا رجحان شدید نظر آرہا ہے یہ خوش کن نہیں ہے، مکران بار ایسوسی ایشن کے رہنما رستم جان چکی ایڈوکیٹ نے کہا کہ اظہار رائے کی آزادی کسی معاشرے کے خوب صورتی کی ضامن ہے، پاکستان کے آئین میں ہر شہری اور پریس کے آزادی کی واضح ضمانت دی گئی ہے، تربت پریس کلب کے جنرل سیکرٹری ماجد صمد نے کہا کہ دنیا کے ہر شہری کو اقوام متحدہ کے چارٹر میں رائے کی آزادی کا حق دیا گیا ہے اسی طرح پاکستان میں بھی یہ قانون ہے لیکن آئین کے اندر ہی کچھ دفعات کے تحت رائے کی آزادی مسدود کر دی گئی ہیں، ملک کے دفاعی معاملات یا مذہبی معاملات پر رائے دینے کی پابندی ہے اگر ان معاملات پر بات کی جائے تو مقدمات کا سامنا کرنا پڑے گا، سوشل میڈیا پر بھی کافی بندش ہیں، کیچ بار ایسوسی ایشن کے ترجمان عبد المجید ایڈوکیٹ دشتی نے کہا کہ پاکستان اور دنیا کے تمام ممالک کے آئین میں شہریوں کو اپنی بات کہنے اور رائے دینے کا حق دیا گیا ہے۔

مگر بدقسمتی سے ہمارے ملک میں انسانی حقوق روز بروز محدود کیے جا رہے ہیں، اسلام نے بھی انسانی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دی ہے، بلوچ نوجوانوں کے بعد بلوچ عورتوں کے خلاف ریاست کے اداروں کا تشدد بڑھ رہا ہے جو تشویش ناک ہے۔سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے، سوشل ورکر شہناز شبیر نے ایک نقطہ اٹھاتے ہوئے کہا کہ لانگ روٹ پر سفر کرنے والے مسافر بس کمپنیاں عورتوں کی مجبوریاں نظر انداز کرتی ہیں اور ان کی سہولت کے لیے معمولی قدم نہیں اٹھاتی۔ (بشکریہ انتخاب)

ہر ایک کے لیے ڈراؤنا خواب

پاکستان کی جیلوں میں صحت کا بحران

لوگ کراچی سنٹرل جیل، کراچی کے داخلے دروازے سے باہر آ رہے ہیں۔(28 جنوری 2021@اے پی فوٹو/فرید خان)

خلاصہ

تقریباً اپنی قید کے آغاز سے ہی، میرا جسم درد، سوزش، اور تناؤ کا شکار رہا ہے۔ میری شکایات یا تو نظر انداز کی گئیں یا جیل کے عملے نے کہا کہ "مرد بنو' اور 'اسے برداشت کرو'، یا بعض مواقع پر مجھے درد سے وقتی طور پر افاقے کی دوائی دی گئی۔ صبح کے وقت میں بڑی مشکل سے اُٹھتا اور میں مسلسل ایم آئی آئی یا الٹراساؤنڈ کروانے کی التجا کرتا رہا، مگر میری التجائیں نظر انداز کی جاتی رہیں۔ بالآخر جب میں رِہا ہوا تو اُس وقت تشخیص ہوئی کہ مجھے جوڑوں کی سوزش کی بیماری لاحق ہے۔

54 سالہ اسلم جو 2017 سے 2020 تک لاہور کی جیل میں قید رہے۔

پاکستان دنیا کے اُن ممالک میں شامل ہے جہاں کی جیلوں میں گنجائش سے کہیں زیادہ لوگ قید ہیں۔ 2022 تک، ملک کی 91 جیلوں اور قید خالوں میں گنجائش سے 100 فیصد سے زیادہ لوگ قید تھے۔ شدید بھیڑ بھاڑ نے جیلوں میں صحت کی سہولیات کے فقدان میں مزید اضافہ کیا ہے جس سے قیدی متعدی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں اور صحت کی بنیادی ضروریات کے لیے ادویات اور علاج تک رسائی سے بھی محروم رہتے ہیں۔ 2020 میں کووڈ 19 کے پھیلاؤ نے ان بدسلوکیوں میں سے کچھ کو بے نقاب کیا، جو وباء سے بہت پہلے سے موجود تھیں اور ان کا کچھ علاج نہیں کیا جا رہا تھا۔ 2022 کے وسط میں پاکستان کو تباہ کرنے والے سیلاب نے بہت سے مراکز صحت کو مزید نقصان پہنچایا، خاص طور پر صوبہ سندھ میں، اور جیلوں کی آبادی کو اور بھی الگ تھلگ کیا اور پانی سے پیدا ہونے والی بیماری کا شکار بنا دیا۔

صحت کی ناقص دیکھ بھال قیدیوں کے حقوق کی دیگر خلاف ورزیوں، بشمول تشدد اور بدسلوکی کے ساتھ جڑی ہوئی ہے اور یہ ٹوٹ پھوٹ کے شکار نظامِ انصاف کی ایک بڑی علامت ہے۔ جیل کے اہلکاروں اور محافظوں کی بدعنوانی اور بدسلوکی پر قانونی کارروائی سے استثنیٰ کی بدولت جیلوں میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ ان سنگین خلاف ورزیوں میں ناکافی اور غیر معیاری خوراک، غیر صحت مند طرزِ زندگی، اور ادویات اور علاج تک رسائی نہ ہونا شامل ہے۔ جیلوں میں صحت کی دیکھ بھال کا بحران پاکستان بھر میں صحت کی دیکھ بھال تک رسائی کے حوالے سے پائے جانے والے سنگین مسائل کی بھی عکاسی کرتا ہے۔ حال ہی میں ایک معاشی بحران جس نے 2022 میں پاکستان کی معیشت کو شدید مشکل صورت حال سے دوچار کر دیا تھا، نے حالات اور زیادہ گھمبیر بنا دیے ہیں۔ پاکستان نے اپنے خام ملکی پیداوار (جی ڈی پی) کا تین فیصد سے کم بجٹ صحت کے لیے مختص کیا ہے جو کہ عالمی ادارہ صحت (ڈبلیو ایچ او) کے معیارات سے کہیں کم ہے۔

اِس رپورٹ میں پاکستان کی جیلوں میں صحت کی دیکھ بھال میں وسیع پیمانے پر پائے جانے والے نقائص قلمبند ہیں اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس سے 88,000 سے زائد قیدیوں کی کل آبادی پر کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ یہ صوبہ سندھ اور پنجاب، اور دارالحکومت اسلام آباد کے علاقے میں سابق قیدیوں کے 34 بالمشافہ اور ٹیلی فون انٹرویوز پر مبنی ہے۔ ان میں خواتین اور نوعمر بچوں، نیز قبل از ٹرائل قیدیوں اور سزا یافتہ قیدیوں کے تقریباً دو درجن وکلاء، جیل میں صحت کے اہلکاروں، اور قیدیوں کے حقوق پر کام کرنے والی تنظیموں کے نمائندوں کے انٹرویوز بھی شامل ہیں۔ اگرچہ ہم نے پاکستان کی تمام جیلوں اور قید خانوں کا مکمل سروے نہیں کیا، لیکن ملک بھر میں جیلوں کی متنوع آبادیوں کے ساتھ کام کرنے والے وُکلاء کے انٹرویوز، بشمول دیہی علاقوں میں، ہمارے نتائج کی تصدیق کرتے ہیں۔ سرکاری اداروں اور قیدیوں کے حقوق کے لیے کام کرنے والے غیر سرکاری اداروں کی حالیہ رپورٹس سے بھی ہماری رپورٹ کے نتائج کی توثیق ہوئی ہے۔ اگرچہ پولیس اور جیل حکام کی طرف سے تشدد بڑے پیمانے پر ہوتا ہے اور اس میں ملوث اہلکاروں کے خلاف شاذ و نادر ہی مقدمہ چلایا جاتا ہے، لیکن اس رپورٹ کی بنیادی توجہ تشدد پر نہیں بلکہ قیدیوں اور زیرِ حراست لوگوں کو صحت کی دیکھ بھال تک رسائی میں درپیش رکاوٹوں کو توجہ کا مرکز بنایا گیا ہے۔

پاکستان میں جیلوں کے حالات نوآبادیاتی دور سے ہی خراب ہیں، جیلوں کا زیادہ تر قانون اُس دور کا ہے۔ تاہم، جیل کی آبادی بڑھنے کی وجہ سے حالات مزید خراب ہو گئے ہیں۔ پاکستان کی جیلوں کی آبادی زیادہ تر معاشرے کے غریب ترین طبقوں سے تعلق رکھتی ہے، جو رشوت دینے، ضمانت حاصل کرنے، یا ایسے وکیلوں کی خدمات حاصل کرنے سے قاصر ہیں جو اُنہیں قید کے متبادل حل تلاش کرنے میں مدد دیں سکیں۔ نقصان دہ حکومتی اور معاشرتی رویے جو قیدیوں کو "سزا کا مستحق" تصور کرتے ہیں، بے حسی اور بدسلوکی کا باعث بنتے ہیں۔

پاکستان میں یکے بعد دیگرے آنے والی حکومتوں اور

سیاسی جماعتوں نے جیلوں میں اصلاحات کی ضرورت کو نظر انداز کیا ہے۔ یہاں تک کہ بدسلوکی کی بھیانک مثالیں شاذ و نادر ہی پارلیمان کی کی توجہ حاصل کر سکیں یا کسی تبدیلی کو جنم دے سکیں۔

ناقص انفراسٹرکچر اور بدعنوانی نے جیل میں صحت کی دیکھ بھال کی خدمات کو شدید متاثر کیا ہے۔ جیل کے زیادہ تر ہسپتالوں میں طبی عملے کے لیے مناسب بجٹ، ای کے جی مشینوں جیسے ضروری آلات اور مناسب مقدار میں ایمبولینسز کی کمی ہے۔ غفلت کی ایک واضح مثال میں، دسمبر 2021 میں لاہور کی کیمپ جیل میں چھ قیدیوں کی طبیعت خراب ہونے پر حراست میں لیے جانے کے 12 دنوں کے اندر ہی موت ہو گئی۔ اُس وقت اس جیل میں صحت کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی اہلکار موجود نہیں تھا، اور منجمد درجہ حرارت کے باوجود بیرکوں میں حرارت کی کمی تھی اور جیل نے قیدیوں کے لیے گرم کپڑے فراہم نہیں کیے تھے۔ اس کے باوجود، اُن کی موت کے بعد بھی اصلاحات یا احتساب نہیں ہوا۔

وسیع پیمانے پر بدعنوانی نے پاکستان کے سرکاری اداروں کو کئی دہائیوں سے متاثر کر رکھا ہے، فوجداری انصاف اور جیلوں کے نظام کو عام طور پر بدعنوان ترین اداروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ رشوت ستانی کے کلچر نے دولت اور اثر و رسوخ رکھنے والوں اور دیگر تمام قیدیوں کے لیے دو الگ الگ نظام بنائے ہوئے ہیں۔ اگرچہ زیادہ تر پاکستانی قیدیوں کو بنیادی صحت کی دیکھ بھال سے محروم رکھا جاتا ہے جس کے وہ قانون کے تحت حقدار ہیں، لیکن امیر اور بااثر قیدیوں کا ایک چھوٹا گروپ جیل سے باہر نجی ہسپتالوں میں اپنی سزا کاٹتا ہے۔ غریب قیدیوں کو درد کش ادویات کے حصول کے لیے بھی رشوت دینی پڑتی ہے۔

وسیع پیمانے پر بدعنوانی نے پاکستان کے سرکاری اداروں کو کئی دہائیوں سے متاثر کر رکھا ہے، فوجداری انصاف اور جیلوں کے نظام کو عام طور پر بدعنوان ترین اداروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ رشوت ستانی کے کلچر نے دولت اور اثر و رسوخ رکھنے والوں اور دیگر تمام قیدیوں کے لیے دو الگ الگ نظام بنائے ہوئے ہیں۔ اگرچہ زیادہ تر پاکستانی قیدیوں کو بنیادی صحت کی دیکھ بھال سے محروم رکھا جاتا ہے جس کے وہ قانون کے تحت حقدار ہیں، لیکن امیر اور بااثر قیدیوں کا ایک چھوٹا گروپ جیل سے باہر نجی ہسپتالوں میں اپنی سزا کاٹتا ہے۔ غریب قیدیوں کو درد کش ادویات کے حصول کے لیے بھی رشوت دینی پڑتی ہے۔

زیادہ بھیڑ

پاکستانی جیلوں میں حد سے کہیں زیادہ بھیڑ ہے، جہاں زیادہ سے زیادہ تین افراد کے لیے بنائی گئی بیرکوں میں 15 افراد تک قید ہیں۔ پاکستان کی جیلوں میں قیدیوں کی اکثریت کے مقدمات التواء کا شکار ہیں۔ وہ ٹرائل کا انتظار کر رہے ہیں یا ٹرائل کے درمیان ہیں اور ابھی تک سزا سنائی جانی ہے۔ تاخیر نظام کو متاثر کرتی ہے، اور ملزمان کے جیل میں رہتے ہوئے ٹرائلز کو مکمل ہونے میں عام طور پر کئی سال لگ جاتے ہیں۔ نوآبادیاتی دور کے وسیع تر قوانین کی وجہ سے پولیس کو بین الاقوامی معیارات کی پاسداری کیے بغیر لوگوں کو اکثر گرفتار کرنے کے لیے بلا روک ٹوک اختیارات حاصل ہیں۔ مشتبہ افراد کو اُن کے خلاف مجرمانہ الزامات کی نوعیت اور وجہ کے بارے میں فوری طور پر اور تفصیل سے آگاہ کیا جانا ضروری ہے۔ اور بین الاقوامی قانونی اصولوں کا تقاضا ہے کہ عدالتیں عام اصول کے طور پر مشتبہ افراد کو ضمانت فراہم کریں، مگر پاکستانی عدالتیں اکثر زیرِ حراست افراد کو ضمانت دینے سے انکار کر دیتی ہیں یا ضمانت کی رقم ان کی مالی پہنچ سے زیادہ مقرر کرتی ہیں، ایسی صورت حال میں جب قیدی کے فرار ہونے یا مقدمے میں مداخلت کا کوئی خطرہ نہ ہوتا۔

فوجداری مقدمات کا سامنا کرنے والے زیادہ تر غریب ہیں اور ریاست کی طرف سے فراہم کردہ قانونی امداد کے لیے ایک مضبوط طریقہ کار کی عدم موجودگی میں، مناسب قانونی نمائندگی کا فقدان ہے۔ سزا سنانے کے رہنما خطوط کے فقدان اور عدالتوں کی جانب سے حراست میں دینے کی بجائے دیگر متبادل سزائیں دینے سے گریز حتیٰ کہ معمولی جرائم کے لیے بھی، جیلوں میں بھیڑ کا سبب ہے۔

خوراک، پانی اور صفائی ستھرائی تک رسائی

اس رپورٹ کے لیے انٹرویو کیے گئے تقریباً تمام سابق قیدیوں نے غیر صحت بخش اور ناکافی خوراک، گندے پانی اور غیر صحت مند حالات کی شکایت کی۔ پاکستان میں نلکے کا پانی عام طور پر پینے کے قابل نہیں ہے کیونکہ اس میں آرسینک کی مقدار زیادہ ہے۔ تاہم، ایک طبی افسر نے ہیومن رائٹس واچ کو بتایا کہ جب اُنھوں نے قیدیوں کے لیے صاف پانی کا مطالبہ کیا، تو انہیں جواب دیا گیا: "یہ مجرم ہیں جنہیں سزا دی جا رہی ہے۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک کرنا بند کرو جیسے وہ چھٹی پر ہیں"۔ جیل حکام قیدیوں کو کھانے کی ادائیگی پر بھی مجبور کرتے ہیں حالانکہ وہ مفت کھانے کے حقدار ہیں۔ جہاں امیر قیدیوں کو صحت بخش خوراک اور تازہ پھل میسر ہیں، وہیں اکثریت کو ان کے لیے مقرر کردہ غیر معیاری کھانا بھی فراہم نہیں کیا جاتا۔

حد سے زیادہ بھیڑ، نظر انداز کرنے کے رویے اور ٹوٹتے ہوئے انفراسٹرکچر نے جیلوں اور قید خانوں کو رہائش کے لیے کافی حد تک غیر موزوں بنا دیا ہے۔ قیدیوں کو خود بیرکوں کو صاف کرنے کے لیے مقرر کیا جاتا ہے، مگر گنجائش سے کہیں زیادہ لوگوں کی موجودگی سے صفائی کا کام بیکار ہو جاتا ہے۔ خارش اور جلد کی دیگر بیماریاں عام ہیں، اور بیرکیں اکثر چوہوں، چھپکلیوں اور دیگر کیڑوں سے متاثر ہیں۔

مارچ 2020 میں ایک تاریخی فیصلے میں، عدالتِ عالیہ اسلام آباد نے فیصلہ دیا کہ قیدیوں کو "ہجوم سے بھری جیل میں رکھنا اور صفائی کا فقدان، ظالمانہ اور غیر انسانی سلوک کے مترادف ہے جس کے لیے ریاست کو جوابدہ ہونا چاہیے کیونکہ یہ عمل دیکھ بھال کی لازمی ذمہ داری کی خلاف ورزی کے مترادف ہے۔" تاہم، عدالتی فیصلے کے باوجود کسی قسم کی بامعنی اصلاحات نہیں ہوئیں۔

خواتین قیدیوں کے ساتھ امتیازی سلوک

خواتین قیدیوں کا شمار سب سے زیادہ خطرے سے دوچار قیدیوں میں ہوتا ہے۔ پدرانہ سماجی رویے، مالی خودمختاری کی کمی، اور خاندانوں کی طرف سے چھوڑ دیے جانے کی وجہ سے خواتین قیدیوں کے لیے اضافی مشکلات پیدا ہو جاتی ہیں۔ فوجداری نظامِ انصاف میں خواتین کو عام طور پر تعصب، امتیازی سلوک اور بدسلوکی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور انہیں صحت کی دیکھ بھال تک رسائی میں بہت زیادہ مشکلات درپیش ہوتی ہیں۔

لاہور کی جیل میں تین سال گزارنے والی ایک خاتون نے کہا

جیل میں اپنے پورے قیام کے دوران، میں شدید سر درد اور ہارمونل مسائل کا شکار رہی جس کی وجہ سے درد اور ماہواری کی بے قاعدگی ہوتی ہے۔ مجھے ایک بار بھی کسی ڈاکٹر سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی اور صرف درد کش دوا دی گئی۔ ہمارے لیے سماجی روایات اور شرمندگی کی وجہ سے جیل کے مرد اہلکار سے ماہواری کے بارے میں بات کرنا انتہائی مشکل ہے۔ خواتین قیدیوں کے ساتھ بدترین سلوک کیا جاتا ہے کیونکہ پاکستان میں انہیں ان کے اہلِ خانہ چھوڑ دیتے ہیں اور کوئی بھی ان سے ملنے نہیں آتا اور اسی وجہ سے جیل حکام جانتے ہیں کہ ان کے بہتر علاج کے لیے کوئی بھی رقم [رشوت] دینے کو تیار نہیں ہے۔

پاکستان کی وزارت برائے انسانی حقوق نے 2020

میں رپورٹ کیا کہ خواتین قیدیوں کو غیر مؤثر طبی دیکھ بھال کا سامنا ہے اور حکام نے خواتین قیدیوں کے تحفظ کے لیے بنائے گئے قوانین کو زیادہ تر نظر انداز کیا ہے۔ پاکستانی جیلوں میں بند خواتین میں سے تقریباً دو تہائی ایسی ہیں جن کے مقدمات کی سماعت ابھی شروع نہیں ہوئی اور انہیں کسی جرم میں سزا نہیں ہوئی۔

جیل میں صحت کی دیکھ بھال کے نظام میں فنڈز کی شدید کمی کا مطلب یہ ہے کہ جن ماؤں کے بچے جیل میں اُن کے ساتھ ہوتے ہیں اُنہیں اکثر صحت کی ضروری سہولیات دستیاب نہیں ہوتیں، جس سے خواتین اور بچوں دونوں کو خطرہ لاحق رہتا ہے۔ ایک قیدی نے بتایا کہ اُس کے بچے، جس کی نشوونما معذوری کی وجہ سے رُکی ہوئی ہے، کو چھ سال کی قید کے دوران کوئی امدادی خدمات یا طبی دیکھ بھال مہیا نہیں کی گئی حالانکہ اس کے لیے بار بار درخواست دی گئی تھی۔

معذوریوں سے متاثرہ قیدیوں کے ساتھ امتیازی سلوک

معذوریوں سے متاثرہ قیدی بدسلوکی، امتیازی سلوک اور برے رویے کے خطرے کا شکار رہتے ہیں۔ پاکستانی معاشرے میں ذہنی صحت کے بارے میں آگاہی کا فقدان نفسیاتی معذوریوں سے متاثرہ لوگوں (ذہنی صحت کے مسائل سے دوچار لوگ) کے ساتھ بدسلوکی کو جنم دیتا ہے اور جو قیدی ذہنی صحت کی مدد کے لیے کہتے ہیں اُن کا اکثر مذاق اڑایا جاتا ہے اور ان کی خدمات سے انکار کیا جاتا ہے۔ جیل کے نظام میں دماغی صحت کے پیشہ ور افراد کی کمی ہے، اور جیل حکام ذہنی صحت کی حالت کی کسی بھی رپورٹ کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ نئے قیدیوں کے نفسیاتی معائنے یا تو بے کار ہوتے ہیں یا بالکل کیے ہی نہیں جاتے۔ 2018 میں لاہور کی جیل میں چار ماہ گزارنے والے ایک قیدی نے بتایا کہ وہ ذہنی دباؤ کا شکار تھا اور اپنی زندگی ختم کرنے کا سوچ رہا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ جب انہوں نے پیشہ ورانہ مدد کی درخواست کی تو ایک اہلکار نے انہیں کہا، "یہاں ہر کوئی افسردہ ہے۔ یہاں تک کہ میں افسردہ ہوں۔ تم نماز شروع کرو۔"

معذوریوں سے متاثرہ قیدی بدسلوکی، امتیازی سلوک اور برے رویے کے خطرے کا شکار رہتے ہیں۔ پاکستانی معاشرے میں ذہنی صحت کے بارے میں آگاہی کا فقدان نفسیاتی معذوریوں سے متاثرہ لوگوں (ذہنی صحت کے مسائل سے دوچار لوگ) کے ساتھ بدسلوکی کو جنم دیتا ہے اور جو قیدی ذہنی صحت کی مدد کے لیے کہتے ہیں اُن کا اکثر مذاق اڑایا جاتا ہے اور ان کی خدمات سے انکار کیا جاتا ہے۔ جیل کے نظام میں دماغی صحت کے پیشہ ور افراد کی کمی ہے، اور جیل حکام ذہنی صحت کی حالت کی کسی بھی رپورٹ کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ نئے قیدیوں کے نفسیاتی معائنے یا تو بے کار ہوتے ہیں یا بالکل کیے ہی نہیں جاتے۔

نوآبادیاتی دور کے جیل کے قوانین

پاکستان کے فوجداری نظامِ انصاف سے متعلق بنیادی قوانین، بشمول تعزیرات، فوجداری طریقہ کار، اور جیل کے قوانین، انیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان میں برطانوی نوآبادیاتی حکومت کے تحت نافذ کیے گئے تھے، اور ان میں 1947 میں پاکستان کی آزادی کے بعد سے کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی۔ جیل کے ایک ڈاکٹر کے بقول، اس نظام کے تحت جیل سپرنٹنڈنٹ تقریباً آمرانہ طاقت کے ساتھ "وائسرائے" کے طور پر کام کرتا ہے، خاص طور پر صحت کی دیکھ بھال تک رسائی کے حوالے سے۔ نوآبادیاتی دور کی پولیس اور جیل کے قوانین سیاست دانوں اور دیگر طاقتور افراد کو پولیس اور جیل کے کاموں میں معمول کے مطابق مداخلت کا موقع فراہم کرتے ہیں، جو بعض اوقات حکام کو ہدایت دیتے ہیں کہ وہ اُن کے اتحادیوں کو نوازیں اور مخالفین کو ہراساں کریں۔

کلیدی سفارشات

پاکستانی جیلوں اور قید خانوں میں ابتر صورت حال اور حقوق کی خلاف ورزی کی کئی وجوہات ہیں اور مسائل کو حل کرنے کے لیے وسیع تر ڈھانچہ جاتی تبدیلیوں کی ضرورت ہوگی۔ بہر حال، وفاقی اور صوبائی سطحوں پر حکومت بعض خاص اقدامات کر سکتی ہے جن سے جیلوں کے حالات میں نمایاں تبدیلیوں کا سلسلہ شروع ہو سکتا ہے اور خاص طور پر قیدیوں کی صحت کی دیکھ بھال تک رسائی کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ اب تک، مختلف ادوار میں بننے والی حکومتوں کی جانب سے مناسب وسائل مختص کرنے اور ان کی نگرانی اور مؤثر طریقے سے استعمال میں ناکامی نے جیلوں کے نظام کی خستہ حالی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ صحت کی دیکھ بھال پر توجہ دینے، اور صحت سے متعلق زندگی کے حالات اور مناسب خوراک کو یقینی بنانے کے علاوہ، سب سے اہم اصلاحات میں ضمانت کے قوانین کو تبدیل کرنا، مقدمے کی سماعت کے عمل کو تیز کرنا، اور قیدیوں کی بھیڑ کو کم کرنے کے لیے غیر حراستی سزاؤں کو ترجیح دینا شامل ہیں۔

اِن اہداف کو حاصل کرنے کے لیے حکومت پاکستان کو درج ذیل اقدامات کرنا ہوں گے:

- پاکستانی جیلوں میں گنجائش سے زیادہ بھیڑ کو کم کریں۔ اس مقصد کے لیے:

الف۔ موجودہ قوانین کے نفاذ اور جلد رہائی کو یقینی بنایا جائے؛

ب۔ ضمانت کے قانون کو بین الاقوامی معیار کے مطابق لانے کے لیے اس میں اصلاحات لائی جائیں؛

ج۔ ججوں کے لیے سزا سنانے سے متعلق رہنما اصولوں کا اطلاق کیا جائے تاکہ وہ ملزم کی ضمانت منظور کریں جب یہ یقین کرنے کے لیے معقول بنیادیں نہ ہوں کہ قیدی فرار ہو جائے گا یا مزید جرائم کا ارتکاب کرے گا؛

د۔ غیر متشدد معمولی نوعیت کے جرائم اور پہلی بار جرم سرزد کرنے والے مجرموں کے لیے سزا کے ڈھانچے میں اصلاح کی جائے تاکہ غیر حراستی متبادل طریقہ کار کو شامل کیا جا سکے؛

ہ۔ اُن قیدیوں کو مفت اور مناسب قانونی امداد کا طریقہ کار نافذ کیا جائے جن کے پاس نجی قانونی نمائندگی حاصل کرنے کے وسائل نہیں ہیں؛ اور اس بات کو یقینی بنائے جائے کہ ٹرائل سے قبل حراست میں رکھے گئے قیدیوں کا ٹرائل جلد از جلد شروع ہو، لیکن انہیں ضرورت سے زیادہ دیر تک حراست میں نہ رکھا جائے۔

- جیلوں میں صحت کی دیکھ بھال کے لیے وقف طبی پیشہ ور افراد کی تعداد میں اضافہ کیا جائے، تمام موجودہ آسامیوں کو فوری طور پر پُر کیا جائے۔
- جیل کے قوانین اور طرزِ عمل کو بین الاقوامی معیارات جیسے کہ نیلسن منڈیلا رولز اور بنکاک رولز کے مطابق لانے کے لیے اصلاحات کی جائیں اور خواتین و بچوں کو درپیش مخصوص چیلنجوں سے نمٹا جائے۔ عورتوں کے ماہواری اور تولیدی صحت کے مسائل بھی حل کیے جائیں۔
- جیل انتظامیہ اگر قیدیوں کے حقوق کو تحفظ دینے اور طے شدہ اصولوں کی پاسداری کرنے میں ناکام رہے تو اسے جوابدہ ٹھہرانے کے لیے ایک آزاد، مؤثر، اور شفاف طریقہ کار اپنایا جائے۔
- تشدد اور دیگر ظالمانہ، غیر انسانی یا توہین آمیز سلوک یا سزا کے خلاف کنونشن کے اختیاری پروٹوکول کی توثیق کی جائے، اور تمام حراستی مراکز کے غیر اعلانیہ معائنے کے لیے ایک طریقہ کار متعارف کیا جائے۔

(انگریزی سے ترجمہ، بشکریہ ہیومن رائٹس واچ)

مقامی قبائل کے درمیان زمینی تنازعے کی وجہ سے فاٹا یونیورسٹی اور ڈگری کالج بند

اسلام گل آفریدی

ذیشان فاٹا یونیورسٹی میں شعبہ سیاسات میں آٹھویں سمسٹر کا طالب علم ہے، وہ ہاسٹل میں قیام پزیر ہے تاہم پچھلے 13 مارچ سے اُن کی پڑھائی کا عمل کسی سرکاری نوٹفکیشن سے نہیں بلکہ یونیورسٹی کے شمال میں واقع دو مقامی قبیلوں کے درمیان جاری زمینی تنازعے اور بھاری ہتھیاروں کے استعمال کی وجہ بند ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہاسٹل میں وہ دیگر سو سے زائد طلباء شدید خوف میں زندگی گزار رہے ہیں کیونکہ فائرنگ کی وجہ سے کوئی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکل سکتا اور کچھ نہیں معلوم کہ یہ مسئلہ کب حل ہوگا۔ ضلع خیبر کی تحصیل باڑہ میں رہائش پذیر اکاخیل کی ذیلی شاخ معروف خیل اور اور ضلع کوہاٹ کے درہ آدم خیل کے اخور کے مقامی قبائل کے درمیان طویل عرصے سے زمین کی حد بندی پر تنازعہ چلا آرہا ہے۔ تقریباً دس دن سے وقفے وقفے سے جاری بھاری ہتھیاروں سے فائرنگ کی وجہ سے فاٹا یونیورسٹی اور گورنمنٹ ڈگری کالج درہ آدم خیل کو بند کردیا گیا ہے۔ فائرنگ کے ان تازہ واقعات میں ایک خاتون سمیت دو افراد مارے جاچکے ہیں۔ محمد نجیم سماجی کارکن ہے اور اُن کا تعلق بھی معروف خیل قبیلے سے ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ کئی عشروں سے جاری دونوں فریقین کے درمیان زمینی تنازعے کی وجہ سے مقامی آبادی کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ معروف خیل کے آمد و رفت کا واحد راستہ جو کہ فاٹا یونیورسٹی سے گزرتا ہے پچھلے دو سالوں سے مقامی قبیلے اخور نے بند کردہ ہے۔ اُنھوں نے الزام لگایا کہ یہاں پر مسلح افراد آنے جانے والوں کی چھان بین کرتے ہیں اور یونیورسٹی جانے والے طالبہ کو ہراساں کیا جاتا ہے۔ اخور قبیلے سے تعلق رکھنے والے محمد حسین نے کہا کہ تمام مسائل کا حل بات چیت کے ذریعے ہونا چاہیے کیونکہ بدامنی سے علاقے میں کوئلے کا بڑا روزگار اور انسانی جانوں کو مزید نقصان کا اندیشہ ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ کئی دنوں سے جاری تنازعے میں فائر بندی کے لئے جرگے کو کچھ مسائل درپیش تھے تاہم اُنھوں نے اُمید ظاہر کردی ہے کہ ایگل فورٹ میں ہونے والے آج کے جرگے میں فائر بندی ہوجائی گی۔ اُنھوں نے کہا کہ جب تک فائرنگ کا سلسلہ نہیں روکتا تب تک تنازعے کے حل میں کوئی پیش رفت ممکن نہیں۔ سڑک کے بندش کے سوال پر اُنھوں نے کہا کہ بد اعتمادی اور نقصان سے بچانے کے غرض سے یہ اقدام اُٹھایا گیا ہے۔ چند دن پہلے کوہاٹ اور ضلع خیبر کے ضلعی انتظامیہ کے موجودگی میں دونوں فریق کے درمیان جرگے نے فائر بندی کا فیصلہ کیا تھا تاہم معروف خیل کے طرف سے مطالبہ کیا گیا کے تنازعے کے حل کے لئے بات چیت کا عمل جاری رہیگا، مقامی آبادی کو درپیش مسائل کے بناء پر بند راستے کو کھول دیا جائے تاہم اس حصے میں کوئی خاص پیش رفت نہ ہوسکی اور اچانک دوبارہ دوطرفہ فائرنگ کا سلسلہ شروع ہوا۔ درہ آدم خیل کے مقامی افراد کے جانب سے کل جنوبی اضلاع کو جانی والی شاہراہ کو احتجاجا بند کردیا گیا۔ مظاہرین کا مطالبہ تھا کہ دونوں فریق کے درمیان فوری طور فائر بندی کی جائے۔ دونوں جانب سے جرگے کے فیصلے کے خلاف ورزی کے الزمات لگائے جارہے ہیں۔ ضلع خیبر کے ضلعی انتظامیہ کے اعلی عہدیدار نے رابطے پر بتایا کہ دوقبیلوں کے درمیان جاری کشیدگی ختم کرنے کے لئے پہلے دن سے کوششیں جاری ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ کوہاٹ کے ضلعی انتظامی پولیس اور مقامی جرگہ بھی اس پوری عمل کا حصہ ہے۔ اُنھوں نے اُمید ظاہر کردی ہے کہ جلد فائر بندی کی جائیگی جبکہ تنازعے کے حل کے لئے قائم مقامی کمیٹی اپنے کوششیں تیز کردی گی۔ بھاری اسلحہ کے استعمال کے سوال پر اُنھوں نے کہا کہ اس حوالے سے معلومات آکٹھے کیں جارہی ہیں جبکہ ملوث افراد کے خلاف قانونی کاروائی کیں جائیگی۔ تنازعے کے حل صوبائی محکمہ داخلہ کے جانب سے ایک اعلی سطحی کمیٹی بھی تشکیل دیا گیا تھا جن میں پشاور، کوہاٹ اور خیبر کے اعلی پولیس عہدیداران، کمشنرز اور دیگر حکام شامل ہیں تاہم کمیٹی کا اب تک کوئی اجلاس نہیں ہوسکا ہے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ آج توقع کی جاتی کے کمیٹی ممبران تنازعے کے حل کے حوالے سے اجلاس میں شرکت کرسکے۔ موجودہ تنازعے کے بناء سولہ مارچ سے درہ آدم خیل گورنمنٹ ڈگری کالج اور فاٹا نیورسٹی میں تدریسی عمل بند کردیا گیا ہے۔ فاٹا یونیورسٹی کے مطابق آٹھ شعبہ جات میں ایک ہزار طلبہ زیر تعلیم ہے جن میں 37 طالبات ہے۔ ادارے کے مطابق 13 مارچ کو یونیورسٹی علاقائی تنازعے کی بناء پر بند کردیا گیا تھا تاہم ادارے کے جانب سے آج 17 تاریخ کی نوٹفکیشن جاری کردیا گیا ہے جس میں 26 مارچ تک موسم بہار کے تعطیلات کے اعلان کردیا ہے۔ گورنمنٹ ڈگری کالج درہ آدم خیل کے پرنسپل جواس خان نے بتایا کہ کالج کو سیکورٹی وجوہات کے بناء پر بند کردیا گیا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ کالج میں 550 طلباء زیر تعلیم ہے جبکہ موسم بہار کے تعطلات شیڈول کے مطابق یکم اپریل سے متوقع ہے۔ پشاور سے 35 کلومیٹر کے فاصلے پر جنوبی اضلاع کو جانے والے شاہراہ پر درہ آدم خیل ڈگری کالج قائم ہے جبکہ 2016 سے یونیورسٹی کے کلاسز بھی اس کالج کی عمارت میں لی جاتی ہے جبکہ یونیورسٹی کا ہاسٹل بھی اسی حدود میں واقع ہے۔ عرفان فاٹا یونیورسٹی میں شعبہ سماجیات کا طالب علم ہے، اُنھوں نے کہا کہ اس سے پہلے بھی یونیورسٹی مقامی سطح پر زمینی تنازعات میں فائرنگ کی وجہ سے بند ہوا تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ یونیورسٹی کے ہاسٹلز میں سو سے زائد طلباء رہائش پزیر ہے تاہم رات کو شدید فائرنگ کی وجہ سے شدید خوف محسوس ہوتا ہے۔ اُن کے بقول ہاسٹل اور یونیوسٹی کے حدود میں چھوٹے اسلحہ کے گولیاں گرنا معمول کی بات ہے لیکن پچھلے رات کو ہاسٹل کے قریب ماٹر گولہ گر گیا تھا جو کہ زوردار دھماکے سے بھٹ گیا۔ کالج اور یونیورسٹی کے طلباء نے بتایا کہ روایتی طریقوں اور سوشل میڈیا پر اُن کے بند تعلیم اداروں کے بارے میں صحیح معلومات نہیں دی جاتی جس کے وجہ سے سینکڑوں کے تعداد میں طلبہ کا وقت ضائع ہورہا ہے۔ تنازعے کے حوالے سے کچھ سوشل میڈیا پیجز ہے جو کہ یک طرفہ معلومات پھیلا رہے ہیں جبکہ وڈیوز میں مسلح افراد بھاری اسلحہ استعمال کرتے ہوئے بھی دیکھا جاسکتا ہے تاہم آزاد ذرائع سے اس کی تصدیق ممکن نہیں۔ تنازعے کے بناء پر علاقے میں کوئلہ نکلنا اور دیگر معاشی سرگرمیوں پر بھی کافی برے اثرات مرتب ہوچکے ہیں۔ جواد علی کا تعلق اکاخیل سے ہے اور وہ کئی سالوں سے درہ آدم خیل میں قائم ایک اسلحے کے کارخانے میں کام کررہا تھا لیکن کئی مہینوں سے وہ بے روزگار ہے کیونکہ وہاں پر کام کرنا اُن کے لئے خطرناک ہے۔ دوسرے جانے دونوں قبیلوں کے میدانی علاقے کے علاوہ سنگم پر واقع پہاڑ کے حدبندی پر بھی تنازعہ ہے جہاں سے کوئلہ نکلا جاتا ہے تاہم موجودہ تنازعے کے بناء پر وہاں بھی کام بند کردیا گیا ہے۔ معلومات کے مطابق معروف خیل اور اخور قبائل کے درمیان میدانی اور پہاڑ کی حدبندی کا تنازعہ پچھلے کئی دہائیوں سے چلا آرہا ہے۔ معروف خیل کا دعوٰی ہے کہ برساتی نالے سے اُس پار اخور قبیلے کے ساتھ اُن کے آبائی جائیداد ہے جن پر اُن کے لوگ آباد ہیں لیکن اخوار کا دعوٰی ہے کہ بالے اُس پار معروف خیل کے علاقے میں اُن کے جائیدادیں ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ڈیڑھ سے دو ایکڑ زمین پر تنازعہ چل رہا ہے۔ گورنمنٹ ڈگر کالج درہ آدخیل کے عمارت کو 2008 میں شدت پسندوں کے جانب سے بارودی مواد سے بری طرح نقصان پہنچا تھا جس کے وجہ سے عمارت استعمال کے قابل نہیں رہا۔ کالج کو ایک ہائی سکول منتقل کردیا گیا تاہم بدامنی شدید لہر میں عمارت کو سیکورٹی حکام نے تحویل میں لیا تھا۔ 2016 میں کالج اپنے پرانے عمارت میں منتقل ہوگیا لیکن مذکورہ سال سے فاٹا یونیورسٹی کے کلاسز بھی یہاں پر شروع ہوئی جو کہ تاحال جاری ہے۔ (بشکریہ اردو۔ پشاور ٹوڈے)

گلگت بلتستان میں 13 فیصد سے زائد بچے چائلڈ لیبر کا شکار ہیں

اسرارالدین اسرار

گلگت بلتستان میں چائلڈ لیبر سے متعلق حکومت گلگت بلتستان اور یونیسف کے اشتراک سے منعقد ہونے والا سروے برائے سال 2018 اور 2019 جو کہ اکتوبر 2021 میں شائع کیا گیا تھا، کے مطابق گلگت بلتستان میں 13 فیصد سے زائد بچے چائلڈ لیبر کا شکار ہیں۔یعنی ہر سات میں سے ایک بچہ کم عمری کی مشقت کا شکار ہے، جن کی مجموعی تعداد پچاس ہزار بنتی ہے۔ بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے ایک سروے کے مطابق گلگت بلتستان میں چار سے اٹھارہ سال کے عمر کے بچوں کی کل تعداد ساڈھے پانچ لاکھ ہے۔اس حساب دیکھا جائے تو ساڈھے پانچ لاکھ میں سے پچاس ہزار بچے چائلڈ لیبر کا شکار ہیں جو کہ ایک بڑی تعداد ہے۔سروے کے مطابق چائلد لیبر کا شکار بچوں میں سے زیادہ تر بچے ایسے انتہائی نامناسب، خطرناک اور غیر صحتمندانہ ماحول میں کام کرتے ہیں جہاں ان کی جسمانی و ذہنی صحت خراب ہونے کے زیادہ امکانات پائے جاتے ہیں۔

اقوام متحدہ کا بچوں کے حقوق کا ادارہ یونیسف کے مطابق 18 سال سے کم عمر کے تمام افراد بچے کہلاتے ہیں۔ تاہم 16 سال سے کم عمر بچوں سے مشقت لینا ان کے حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ پاکستان میں اس عمر کی حد چودہ سال ہے۔ پاکستان کے قوانین کے مطابق چودہ سال سے کم بچوں سے مشقت لینا جرم ہے۔ چائلڈ لیبر یعنی بچوں کی مشقت سے مراد ملازمت، اجرت یا کسی بھی غرض سے ان سے ایسا بھاری کام لینا ہے جس کی وجہ سے ان کی ذہنی، جسمانی اور نفسیاتی صحت خراب ہوسکتی ہے اور وہ اپنی تعلیم، بچپن کے کھیل کود، خوشی، نشوونما اور پھلنے پھولنے کے دیگر مواقعوں سے محروم ہوسکتے ہیں۔ یہ بات مشاہدے میں آئی ہے کہ گلگت بلتستان میں چائلڈ لیبر کے علاوہ کچرا چننے، بھیک مانگنے، چھوٹے جرائم میں ملوث ہونے، رات گئے تک سڑکوں میں گھومنے، سکول کے اوقات میں سکول یونفارم پہنے شہر میں مٹر گشت کرنے اور نشہ کرنے والے بچوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے۔

گلگت بلتستان کی حکومت کو چاہئے کہ وہ صرف سروے پر اکتفا نہ کرے بلکہ گلگت بلتستان میں 2019 میں بچوں کی مشقت کے خلاف بنے ہوئے قانون پر من وعن عملدرآمد کو یقینی بنائے۔ ان تمام بچوں کو مشقت سے نجات دلائے جو غربت، معاشی تنگ دستی، یتیمی، والدین کی ناسمجھی یا کسی اور وجہ سے مشقت اٹھانے پر مجبور ہیں۔ نیز ان تمام بچوں کی تعلیم اور صحت کے لئے فوری اقدامات اٹھائے جائیں جو تعلیم اور صحت تک رسائی کے بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہیں۔حکومت اس ضمن میں ایک مہم چلاسکتی ہے جس میں محکمہ تعلیم کا کلیدی کردار ہوگا۔تمام سرکاری سکولوں کی عمارتوں کو سہ پہر کے بعد ایسے مقاصد کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے جہاں تعلیم سے محروم بچوں کو لکھانے پڑھانے کے علاوہ ان کو ہنر دینے کے لئے کمیونٹی کے رضا کاروں یا فلاحی اداروں سے کام لیا جاسکتا ہے۔ بی آئی ایس پی کی مذکورہ سروے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ گلگت بلتستان میں کل ساڈھے پانچ لاکھ بچوں میں سے ڈیڑھ لاکھ بچے سکول جانے سے محروم ہیں۔ یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ سکول جانے سے قاصر ان بچوں کی اکثریت چائلڈ لیبر کا شکار ہے۔ نیز ان تمام محرکات کا کھوج لگانے کی بھی ضرورت ہے جو بچوں کی مشقت کو فروغ دینے کا باعث بنتے ہیں۔ ان محرکات کا کھوج لگانے کے علاوہ ان کے تدارک کے لئے ٹھوس اقدامات اٹھائے بغیر اس مسلے پر قابو پانا انتہائی مشکل ہے۔ اس ضمن میں قومی سطح پر کام کرنے والے بچوں کے تحفظ کے اداروں، سول سوسائٹی اور یونیسیف کو بھی حکومت گلگت بلتستان پر دباو ڈالنے میں اپنا کردار کرنا ہوگا۔ ورنہ وقت کے ساتھ یہ مسلہ مزید گھمبیر ہوسکتا ہے۔

مردم شماری کے عمل کی مدت میں توسیع کی جائے

چمن ساتویں ڈیجیٹل خانہ ومردم شماری چونکہ پورے ملک میں جاری ہے مگر دیگر صوبوں کے حساب سے بلوچستان قدر مختلف ہے۔ بلوچستان کی نصف آبادی پہاڑوں کے چوٹیوں ریت وریگستانوں یا دشت وبیاباں میں آباد ہیں کم مدت میں مردم شماری عملے کا بلوچستان کے کونے کونے تک پہنچنا ناممکن ہے۔ بلوچستان کے مختلف اضلاع میں بارشوں راستوں کی بندش بجلی اور انٹرنیٹ نہ ہونے کے باعث مردم شماری عملے کو شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑرہا ہے اکثر اضلاع میں مردم شماری کا کام اب تک نصف حصہ بھی نہیں ہوا اگر تاریخ میں توسیع نہ کی گ ء تو ک ء افراد اندراج ہونے سے رہ جائیں گے جس کے منفی اثرات بلوچستان کے فرد فرد پے پڑے گا۔ بڑے بلاکس یعنی ایسے بلاکس بھی ہیں جن میں عمارتوں کی تعداد دو ہزار کے قریب ہیں اور ان بلاکس میں مردم شماری صرف چند دنوں میں نہیں کی جاسکتی، اسی طرح ک ء اضلاع میں مردم شماری عملے کو اپنا فرض بخوبی نبھانے میں ٹرانسپورٹ کے ساتھ ساتھ دیگر مشکلات کا سامنا کرنا پڑرہا ہے۔ اہلیان بلوچستان بالخصوص اہلیان چمن سے درخواست کرتے ہوئے اپیل کی کہ رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں دوران مردم شماری عملے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے اپنا اندراج ہرصورت یقینی بنائیں اور جن علاقوں میں تا حال خانہ ومردم شماری نہیں ہوا ہے ان ایریاز کے پولیٹیکل ورکرز مذکورہ علاقوں کی نشاندہی کر کے ضلعی انتظامیہ وایریا سپروائزر کو اطلاع دیں تا کہ بلوچستان کا کوئی بھی فرد رہ نہ جائے۔

(محمد صدیق)

محنت کش کا قتل

نوشہروفیروز نواحی علاقہ بھریارو ڈ میں نامعلوم افراد نے محنت کش کو مبینہ بیدردی سے سخت تشدد بعد خنجروں کے پے درپے وار کر کے قتل کر دیا، اطلاع پر پولیس نے لاش اسپتال منتقل کر دی، مقتول گھر میں اکیلا رہتا تھا، واقع کی تفتیش کررہے ہیں پولیس۔تفصیلات کے مطابق نواحی علاقہ بھریارو ڈ کے کیریا محلّہ سے پولیس کو اطلاع دی گئی کہ ایک مکان میں مبینہ لاش پڑی ہے جس پر پولیس نے پہنچ کر لاش کو فوری طور پر اسپتال منتقل کردیا، جہاں پر قتل ہونے والے شخص کی شناخت 50 سالہ خالد عرف گلو ولد محمد یوسف راجپوت کے نام سے ہوئی ہے پولیس کے مطابق خالد راجپوت بھریارو ڈ میں سروس پمپ پر ملازمت کرتا تھا اور گھر میں اکیلا رہتا تھا جسے ملزمان نے بے دردی سے خنجروں کے پے درپے وار کر کے قتل کیا ہے واقع کی تفتیش شروع کردی ہے ملزمان کو جلد گرفتار کرلیا جائے گا۔

(الطاف حسین قاسمی)

کچرے کے ڈھیر کے خلاف علاقہ مکینوں کا احتجاج

چمن شہر کے بیچ علاقہ بوغرہ روڈ میں پڑی یہ کچرے کی ڈھیر آس پاس گھروں اور گزرنیوالوں کیلئے بہت تکلیف دہ ہے اوراسکی تعفن سے مختلف بیماریاں پھیلتی ہے حکومت وقت مونسپل کارپوریشن افیسرز کو کئی بار آگاہ بھی کیئے گئے ہیں لیکن تا حال کوئی شنوائی نہیں ہوئی ہے۔مظاہرین نے حکومت وقت سے پرزور اپیل کی کہ اس امبار گنجی پر نظر کرم کریں اور اهل علاقہ اور گزرنے والے باسیوں کو اس سینجات دلائے آج کل کچرہ اٹھانیوالے ٹرکٹر ٹرالیوالا روڈ کے باالکل کنارے پر کچرہ ڈالتے ہے جگہ کی تنگی اور کم پڑنے کا بہانہ بنا کر روڈ کے کنارے کچرہ پھینکتے ہیں جس سے روڈ کے کنارے پیدل جانیوالے لوگوں کا راستہ جو کہ تین میٹر ہے وہ بھی بند کر دیتے ہے یہ علاقہ امبار گنجی بازار کے قریب چند کلومیٹر فاصلے پر واقع ہے جہاں میونسپل کارپوریشن ایریا کا کچرہ یہاں لا کے پھینکتے ہیں بار بار علاقہ مکینوں نے احتجاج بھی کیا ہے اور ضلعی انتظامیہ نے وہاں رہائش پذیر لوگوں سے امبار گنجی کا جو جگہ ہے وہ مزید آبادی کے لحاظ سے تبدیل کرنے کا وعدہ بھی کیا مگر پھر وہی صورتحال امبار گنجی کا اراضی تو بھر گیا اب لوگوں کے گھروں کے سامنے اور روڈ کے درمیان کچرہ پھینکنا شروع کر دیا۔ضلعی انتظامیہ نوٹس لیں۔

(محمد صدیق)

مزدوروں کے حق میں، زمینوں پر بیجا قبضے کے خلاف احتجاج

لنڈی کوتل لنڈی کوتل بازار میں پاک افغان طورخم بارڈر پر مزدوروں کے حق اور قوم شینواری خوگا خیل کی جائیداد پر قبضے کے خلاف عوام سراپا احتجاج بن گئے ہیں۔لنڈی کوتل مختلف اقوام و سیاسی سماجی کارکنوں نے احتجاجی مظاہرے میں شرکت کی۔خیبر بلخصوص لنڈی کوتل عوام کا واحد ذریعہ معاش طورخم بارڈر ہے۔ہزاروں کی تعداد میں مزدور طورخم بارڈر پر اپنے بال بچوں کے لئے دو وقت کی حلال رزق کما رہے ہیں۔لنڈی کوتل کے مزدور کو ملک کے دیگر علاقوں کی طرح مزدوری کرنے کی اجازت دی جائے اور ان کو بے جا تنگ نہ کیا جائے۔لنڈی کوتل طورخم قوم شینواری خوگا خیل کی ملکیت ہے اس پر ناجائز قبضہ گردی ہرگز قابل قبول نہیں۔احتجاجی مظاہرہ کے موقع پر مشران اور عوام کا کہنا ہیں کہ اگر جمعرات تک مطالبات حل نہیں ہوئی؛ طورخم ٹرمینل پر بزور بازوں ہر قسم تعمیراتی کام بند کرینگے اور احتجاجی دھرنا دینگے۔مظاہرین نے باچا خان چوک سے لنڈی کوتل پریس کلب تک پیدل مارچ کیا اور طورخم این ایل سی اور ایف بی آر حکام کے خلاف شدید نعرہ بازی کی گئی۔لنڈی کوتل بازار میں این ایل سی اور ایف بی آر حکام کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کے موقع پر سیاسی قائدین، مفتی محمد اعجاز شنواری، معراجِ الدین شنواری، برکت اللہ شنواری، الیاس شنواری امیر نواز شنواری، شاہ گلاب شنواری، لطف اللہ شنواری، ذوالفقار شنواری، کلیم اللہ شنواری کے مشران نے خطاب کئے، جبکہ طورخم کسٹم کلیئرنس ایجنٹس مزدور یونین کے مشران بھی موجود تھے۔

(مسعود شاہ)

ہسپتال کا شعبہ حادثات غیر فعال

چمن چمن کے نئے ڈی ایچ کیو اسپتال کے شعبہ حادثات میں ڈاکٹرز اکثر غیر حاضر رہتے ہیں۔اختر گلفام نے محمد صدیق مدنی کو بتایا کہ چمن کے علاقے کلی دولت آباد برف کارخانے میں گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول تاج وطن دوست میں دوران کام دیوار سے گرنے پر سندھ کے شہر لاڑکانہ سے تعلق رکھنے والا مزدور حسین شدید زخمی ہوا جن کو فوری طور پر پہلے پرانے ڈی ایچ کیو اسپتال کے شعبہ حادثات منتقل کیا گیا جس کے بند ہونے پر نئے ڈی ایچ کیو اسپتال کے شعبہ حادثات منتقل کیا گیا جہاں مریض ایک گھنٹے تک شعبہ حادثات میں پڑا رہا مگر شعبہ حادثات سے ڈیوٹی ڈاکٹر غیر حاضر ہونے کے باعث ان کو بغیر ابتدائی طبی امداد کے فوری طور پر کوئٹہ لے جانے کو کہا گیا۔اس دوران ایمبولنس ڈرائیور نے مریض لے جانے سے پہلے صاف انکار کیا اور کہا کہ پیٹرول ڈالوں پھر مریض کو لے جاوگا جس پر مریض کے ساتھیوں دیگر مزدوروں نے 280 روپے فی لیٹر کے حساب سے 40 لیٹر پیٹرول کے پیسے دیں تب ایمبولنس مریض کو لیکر روانہ ہوا لیکن اس دوران کافی دیر ہونے کی وجہ سے مریض درہ کوژک کے پہاڑی سلسلے میں زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے چل بسا۔ڈرائیور نے لاش ژڑہ بند لیویز چیک پوسٹ پر چھوڑ کر واپس آیا جبکہ مزدور حسین کی لاش پک ڈانس میں پہلے کوئٹہ اور بعد میں لاڑکانہ روانہ کی گئی۔ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفیسر تاج وطن دوست نے واقع پر شدید اظہار برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ مریض شعبہ حادثات میں ڈاکٹرز کی عدم موجودگی اور ایمبولنس ڈرائیور کے ڈیمانڈز کی وجہ سے جاں بحق ہوا۔دوسری جانب شہریوں نے شعبہ حادثات میں ڈاکٹرز کی مسلسل غیر حاضری پر ڈپٹی کمشنر اسماعیل ابراہیم سے فوری طور پر نوٹس لینے اور ذمہ داروں کے خلاف محکمانہ کاروائی کا مطالبہ کیا ہے۔

(محمد صدیق)

ہسپتال میں سہولیات کا فقدان

باڑہ تحصیل باڑہ میں دو مہینوں میں لیشمینیا کے دو سو سے زیادہ مریض رپورٹ ہوئے ہیں۔ باڑہ تحصیل ہیڈ کوارٹر ہسپتال ڈوگرہ میں علاج معالجہ مفت فراہم ہوتا ہے لیکن ناکافی سہولیات کی وجہ سے مریضوں کو تکلیف کا سامنا ہے ہسپتال میں کم گلاکوٹین انجیکشن اور تھرمو تیرفی محصوص مشین نہ ہونے کی وجہ سے اکثر مریضوں کے چہروں پر زخم بڑھتا ہے تو ان مشین پر ان کا علاج کیا جاتا ہے جو ہسپتال میں موجود نہیں ہے جن کی مریض کے چہرے پر داغ بن کر چہرہ خراب ہوتا ہے پچھلے سال بھی دو ہزار سے زیادہ مریض رپورٹ ہوئے ہیں۔عوام نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ لیشمینیا مرض کے روک تھام کے لئے اقدامات کرے اور ہسپتال میں سہولیات فراہم کیا جائے تا کہ لوگ اس مرض سے بچا جا سکے۔

(منظور آفریدی)

ایک قتل دوسرا شدید زخمی

میانوالی تفصیلات کے مطابق محلّہ بلوخیل میانوالی سٹی میں رات 10 بجے کے قریب ضیاءاللہ عرف کالا اور شاہجہان نامی شخص شراب پی کر شفااللہ سرورخیل کے گھر داخل ہوگئے۔شفااللہ نے فائرنگ کر دی جس سے موقع پر ضیااللہ ہلاک جبکہ شاہجہان بلوچ شدید زخمی ہوگیا جس فوری طور ڈی ایچ کیو ہسپتال داخل کروا دیا گیا پولیس نے مقدمہ درج کرلیا ہے۔اور تفتیش شروع کردی ہے اس کے پیچھے اصل صورتحال کیا ہے۔ (محمد رفیق)

ڈرون حملے کی اطلاع، دو کمسن بچے شہید

جنوبی وزیرستان انعام اللہ ولد شوکت اللہ اور شاہد اللہ ولد حفیظ اللہ جن کی عمریں چار سے پانچ سال بتائی جاتی ہے کے مارے جانے کی اطلاعات ہے۔تاہم علاقے میں ٹیلی فون یا موبائل نیٹ ورک کی سہولیات نہ ہونے کی وجہ سے مکمل تفصیلات حاصل ہونا ناممکن ہے۔ذرائع کے مطابق ابتدائی اطلاعات کے مطابق بچوں کو سرا روغہ ہسپتال منتقل کر دیا گیا تھا اب لاشوں کو واپس گھر روانہ کر دیا ہیں۔ مقامی ذرائع کے مطابق علاقے میں ڈرون کی پروازیں تا حال جاری ہے جس سے علاقے میں شدید خوف و ہراس پایا جاتا ہے۔

(ارشاد محسود)

کسانوں کی بیدخلی کے خلاف احتجاج

ٹنڈو محمد خان سندھ حکومت کے ریڈ سندھی کیٹل فارم کے کسانوں نے زمین سے بے دخل کرنے کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا ہے مظاہرہ میں بڑی تعداد میں خواتین اور بچے بھی موجود تھے کسانوں نے کیٹل فارم کی انتظامیہ کے خلاف شدید نعرے بازی کی اور سپرینٹنڈنٹ کے خلاف تحقیقات کا مطالبہ کی ہے۔ٹنڈو محمد خان کی تحصیل بلڑی شاہ کریم کی دیھ لدھاں میں سندھ سرکار کے ریڈ سندھی کیٹل فارم کی زرخیز زمین کے کسانوں نے اپنے حقوق کے لیے احتجاجی مظاہرہ کیا ہے۔کیٹل فارم کی 2400 ایکڑ زمین پر 126 کسان زرعی زمین میں گنا گندم دھان سبزیاں۔اور دیگر فصل اگاتے ہیں۔فصل تیار ہونے کے بعد فصل مارکیٹ میں جاتی اور اور اس کی رقم سرکاری اکاؤنٹ میں جمع ہوتی ہے کسان اسلم خاصخیلی کا کہنا تھا کہ میرا 40 ھزار من گنا مارکیٹ میں گیا اور جب میں نے اپنا حساب مانگا تو سپرینٹنڈنٹ نے میری 05 ایکڑ پر دوسرے سال کے گنے پر ٹریکٹر چلا دیا اور لاکھوں روپیہ کا نقصان کر کے زمین سے بے دخل کر دیا رابطہ کرنے پر سپرینٹنڈنٹ علی جان ملھن کا کہنا تھا کہ ہم صف دو سال تک کسان رکھتے ہیں پھر تبدیل کر دیتے ہیں کیٹل فارم کی اس زرخیز زمین پر جہاں علاقہ کے بااثر افراد کی نظر ہے تو وہاں کیٹل فارم پر مقرر افسران بھی اس فارم پر پوسٹنگ کے لیے اثر رسوخ کا استعمال کر کے اپنی مقرری کراتے ہیں سندھ حکومت کو چاہیے کہ کسانوں کے احتجاج کا نوٹس لے اور تحقیقات کرا کے کسانوں سے انصاف فراہم کرے۔

(محمد رمضان شورو)

ٹارگٹ کلنگ: ایک اور سکھ تاجر کا قتل

پشاور ٹارگٹ کلنگ رحمان بابا کے علاقہ دیر کالونی میں نامعلوم مسلح موٹر سائیکل سواروں نے سکھ پنساری کو دکان کے اندر فائرنگ کے قتل کر دیا گیا پولیس کی نفری جائے وقوعہ پر پہنچ کر نعش کو تحویل میں لیکر پوسٹمارٹم کیلئے مردہ خانہ منتقل کر دیا اور تفتیشی ٹیم نے کرائم سین سے 30 بور پستول کے خالی خول اور دیگر شواہد سمیت آس پاس نصب سی سی ٹی وی کیمروں کی فوٹیج حاصل کر کے تحقیقات کا دائرہ وسیع کر دیا گیا ہے۔ پولیس کے مطابق گزشتہ روز سکھ برادری سے تعلق رکھنے والے دیال سنگھ ولد ہردیال سنگھ سکنہ ضلع خیبر حال دیر کالونی گڑھی عطا محمد جو پنساری تھا اور اپنے دکان میں موجود تھا کہ اسی دوران نامعلوم مسلح موٹر سائیکل سواروں نے آکر ان پر اندھا دھند فائرنگ کر دی جسکے نتیجے میں وہ موقع پر ہی دم توڑ گیا اور مسلح موٹر سائیکل سوار فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے پولیس نے نعش کو تحویل میں لیکر پوسٹمارٹم کیلئے خیبر میڈیکل کالج پہنچا دیا اور پولیس کی تفتیشی ٹیم نے کرائم سین سے فائر ہونے والے 30 بور پستول کے خالی خول، خون کے نمونے اور دیگر

شواہد سمیت آس پاس نصب سی سی ٹی وی کیمروں کی فوٹیج حاصل کر کے تحقیقات کا دائرہ وسیع کر دیا گیا ہے۔

(مسعود شاہ)

چوری کرنے والے تاحال گرفتار نہیں ہو سکے

نوشکی نوشکی سے دو کلو میٹر دور گرلز کالج کے جنوب میں ہندو برادری کا شمشان گھاٹ واقع ہے ہندو برادری کے سوشل ورکر ہرے کرشنا ویلفیر کے رہنما میندر کمار نے ایچ آر سی پی کے کوآرڈینیٹر کو بتایا تین ماہ قبل نامعلوم افراد شمشان گھاٹ کا مین گیٹ تین دروازے سٹور میں موجود ہزاروں روپے مالیت کا سامان چرا کر لے گئے ہماری برادری نے سلسلے میں پولیس اور انتظامیہ کو آگاہ کیا ہے لیکن تین ماہ کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود بھی ملزمان کی گرفتاری عمل میں نہیں لائی جاسکی اور نہ گیٹ اور دیگر سامان برآمد کیا جا سکا ہے جس کی وجہ سے ہندو برادری میں تشویش پائی جاتی ہے ہمارے مقدس مقامات بھی محفوظ نہیں ہے ہمارے مقدس مقامات کی حرمتی ہو رہی ہے ہم ضلعی انتظامیہ سے مطالبہ کرتے ہیں شمشان گھاٹ کے گیٹ اور دیگر سامان کو برآمد کر کے ملزمان کو انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے ہمارے مقدس مقامات کی حفاظت کو یقینی بنانے کے لیے اقدامات کیے جائیں۔ (محمد سعید)

پاکستان میں 3 برسوں کے دوران صنفی تشدد کے 63 ہزار کیسز رپورٹ

کراچی پاکستان میں گزشتہ تین سال میں صنفی بنیاد پر تشدد کے تقریباً 63 ہزار کیسز رپورٹ ہوئے ہیں، جن میں سے تقریباً 4 ہزار کیسز سال 2020 کی ابتدائی ششماہی میں رپورٹ ہوئے جب کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے لاک ڈاؤن نافذ کیا گیا تھا۔ڈان اخبار کی رپورٹ کے مطابق اس بات کا انکشاف نیشنل کمیشن آف ہیومن رائٹس (این سی ایچ آر) کی جانب سے منگل کو جاری کردہ ایک نئی رپورٹ میں کیا گیا۔کمیشن نے انسانی حقوق کی وزارت کے اعداد وشمار کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ان میں سے 80 فیصد واقعات گھریلو تشدد سے متعلق ہیں جبکہ 47 فیصد گھریلو ریپ کے ہیں جس میں شادی شدہ خواتین کو جنسی بدسلوکی کا سامنا کرنا پڑا۔رپورٹ میں متنبہ کیا گیا کہ چونکہ اعداد وشمار رپورٹ شدہ کیسز پر مبنی ہیں، اس لیے اصل تعداد اس سے کئی زیادہ ہوسکتی ہے۔این سی ایچ آر کی ازدواجی ساتھی کے تشدد سے متعلق کلیدی کردار ادا کرنے والے محرکات پر مبنی رپورٹ ایک ہوٹل میں منعقدہ تقریب میں شرکا کے ساتھ شیئر کی گئی۔ 57 صفحات پر مشتمل یہ رپورٹ خواتین کے خلاف گھریلو تشدد سے نمٹنے کے لیے ایک پالیسی بریف تھی جس میں امید ظاہر کی گئی کہ قانونی ڈھانچہ بنانے سے امتیازی نظام اور پدرانہ ڈھانچے کو حل کیا جاسکتا ہے جو صنفی بنیاد پر تشدد میں حصہ ڈالتے ہیں۔تقریب میں سینیٹر شیری رحمٰن، رکن قومی اسمبلی شازیہ مری، وفاقی شرعی عدالت (ایف ایس سی) کے چیف جسٹس محمد انور اور آئی جی اسلام آباد اکبر ناصر سمیت دیگر نے شرکت کی۔سینیٹر شیری رحمٰن اور شازیہ مری نے اپنی تقاریر کے دوران ان کیسز کو بڑی تصویر کی معمولی سے جھلک قرار دیا۔شیری رحمٰن نے کہا کہ خواتین کے خلاف تشدد 'طاقت' کا مظاہرہ ہے اور ایسے معاملات کو پوشیدہ وبائی بیماری' اور 'قابل شرم اعداد وشمار' قرار دیا۔انہوں نے کہا کہ اعداد وشمار حیران کن ہیں، 90 فیصد خواتین کو اپنی زندگی میں کسی نہ کسی طرح کے گھریلو تشدد کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس کے باوجود 50 فیصد اس کی اطلاع نہیں دیتیں اور ان میں سے صرف 0.4 فیصد عدالتوں سے رجوع کرتی ہیں۔وزیر موسمیاتی تبدیلی نے مزید کہا کہ 'ہمارا معاشرہ پدرانہ نظام سے جڑا ہوا ہے اور یہ خواتین کو ادارہ جاتی، سماجی اور ثقافتی اصولوں کی سلسلے کے ذریعے محکوم بناتا ہے جو خواتین کے خلاف تشدد کی اجازت دیتے ہیں اور اسے معمول بناتے ہیں۔'انہوں نے کہا کہ گھریلو تشدد کی بنیادی وجوہات کو حل کرنے کے لیے قانون سازی کے ساتھ ساتھ قوانین کا نفاذ اور سماجی سطح پر تبدیلیاں بھی اتنی ہی اہم ہیں۔شیری رحمٰن نے بتایا کہ گھریلو تشدد کے خاتمے کا ایک بل پہلی بار 2004 میں پیش کیا گیا تھا لیکن قانون سازی ابھی تک نہیں ہوسکی۔بینظیر انکم سپورٹ پروگرام کی چیئرپرسن شازیہ مری نے کہا کہ 'مرد بنو' اور معاشرے میں رائج اس جیسے دیگر جملے خواتین کو بدنام کرنے کی کوشش ہیں۔انہوں نے کہا کہ ایک ایسا معاشرہ جس میں خواتین کو شامل نہیں کیا جاتا وہ اپنی معاشی اور سماجی ترقی کو محدود کررہا ہوتا ہے۔شازیہ مری نے 'عورت مارچ' پر ہونے والی تنقید کا بھی جواب دیا اور کہا کہ اگر آپ اپنی خواتین کو تحفظ فراہم کریں گے تو اس طرح کے احتجاج کی ضرورت نہیں ہوگی۔

(بشکریہ ڈان)

میاں بیوی کو جان سے مار دیا

نوشہرو فیروز تفصیلات کے مطابق نواحی گاوں درس کے رہائشی میاں بیوی سکھر کورٹ میں پیشی سے واپسی پر بندر روڈ پر مسلح افراد کی کار پر فائرنگ۔میاں بیوی قتل بچی شدید زخمی ہوگئی، واقع کی اطلاع پر پولیس نے پہنچ کر دونوں مقتولین کی لاشیں اور زخمی بچی کو ایدھی ایمبولینس کیذریعے اسپتال منتقل کردیا، جہاں پر مقتولین کی شناخت علی اکبر سولنگی اور اسکی زوجہ مسمات زینت سولنگی کے نام سے ہوئی ہے، جو کہ نوشہرو فیروز کے علاقہ درس تھانہ کے گاوں درس کے رہائشی بتائے جاتے ہیں، پولیس زرائع کے مطابق مقتولین سکھر عدالت پیشی پر آئے تھے دونوں پر سابق شوہر نے مسمات زینت اور اس کے شوہر علی اکبر پر مقدمہ دائر کیا ہوا تھا جو کہ پیشی کے بعد واپس جارہے تھے کہ اجل کا شکار ہوگئے، مقتول علی اکبر رینجرز میں اہلکار رہے، واقع کی اطلاع پر پولیس اور رینجرز کی بھاری نفری اسپتال پہنچ کر واقع کی تفصیلات حاصل کیں اور بندر روڈ پر مختلف دوکانوں سے سی سی ٹی وی فوٹیجز اور شواہد جمع کیے اور معلومات حاصل کی پولیس کے مطابق واقع پرانی دشمنی کا ساخسانہ معلوم ہوتا ہے ملزمان کی گرفتاری کے لئے ٹیمیں تشکیل دے دی ہے جلد گرفتار کرلیا جائے گا، جبکہ ضروری کاروائی کے بعد دونوں لاشیں ورثہ کے حوالے کردی گئیں ہیں لاشیں گھر پہنچنے پر کہرام مچ گیا المناک واقعہ پر پورا گاوں سوگ میں ڈوب گیا۔

(الطاف حسین قاسمی)

خواتین نادرا آفس کو بند کر دیا گیا

چمن دور دراز سے آئے ہوئے شناختی کارڈ کیلئے خواتین حضرات سخت مایوسی کا شکار ہوئے۔ نجب الدین اچکزئی نے پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق کے ڈسٹرکٹ کوآرڈینیٹر کو بتایا کہ چمن میں جان بوجھ کر نادرا آفسز بند کئے جاتے ہیں۔ جس سے اہلیان چمن سخت مشکلات کا سامنا ہیں۔ چمن خواتین نادرا افس کے سپروائزر نے کہا ہے کہ کچھ لوگ اکر یہاں نادرا آفس میں جان بوجھ کر کام بند کر دیا کوئٹہ ہیڈ آفس والوں نیکال کر کے کام بند کرنے کا حکم دے دیا۔ چمن خواتین نادرا سینٹر ابھی مکمل طور بند کر دیا سٹاف نے کام چھوڑ دیا۔

(محمد صدیق)

سرکاری اہلکاروں نے طالبعلم کو اٹھا کر لاپتہ کر دیا

باڑہ باڑہ گورنمنٹ ڈگری کالج کوہی شیر حیدر باڑہ کے طالب علم ابوبکر کو سفید کپڑوں میں ملبوس سرکاری اہلکاروں نے اغواء کر کے نامعلوم مقام پر منتقل کر دیا ہے۔ سرکاری ادارے بے لگام ہو چکے ہیں۔ قبائلی علاقوں میں غیر قانونی اور ماورائے عدالت قتل و گرفتاریاں جاری ہے۔ ان خیالات کا اظہار عبدالرازاق آفریدی، ہاشم خان اور خان ولی آفریدی نے باڑہ پریس کلب میں پرہجوم ہنگامی پریس کانفرنس کرتے ہوئے کیا۔ اس موقع پر ان کے ہمراہ حاجی شیرین آفریدی، عبدالواحد آفریدی اور ڈاکٹر عبدالوہاب آفریدی سمیت باڑہ سیاسی اتحاد میں شامل سیاسی قائدین، جی ڈی سی باڑہ کے طلباء، مغوی طالب علم کے خاندان کا افراد اور دیگر کثیر تعداد میں موجود تھے۔ انہوں نے اعلی حکام سے مطالبہ کیا کہ اداروں کی غیر قانونی اور ماورائے عدالت اقدامات کو روکا جائے۔ جبکہ بے گناہ طالب علم کو جلد از جلد رہا کیا جائے اور اگر اداروں کے پاس ان کے خلاف کوئی ثبوت ہو تو عدالت میں پیش کیا جائے۔ سیاسی اتحاد اور قبیلہ ملک دین خیل کے عمائدین نے طالب علم ابوبکر کی بحفاظت رہائی کیلئے تین دن کا الٹی میٹم دیتے ہوئے کہا کہ اگر آئندہ منگل تک طالب علم کو بحفاظت رہا نہ کیا گیا یا عدالت میں پیش نہیں کیا گیا تو باڑہ سیاسی اتحاد اور قبیلہ ملک دین خیل کالے جھنڈوں سمیت باڑہ کی طرف احتجاجی جلوس نکالیں گے اور مغوی طالب علم کی بازیابی تک احتجاجی دھرنا دیا جائے گا۔

(مسعود شاہ)

دو طالبعلموں کی رہائی کا مطالبہ

اسلام آباد خیبر پختونخواہ کے ڈسٹرکٹ لوئر دیر سے تعلق رکھنے والے تھرڈ ائیر اور سیکنڈ آئیر کے سٹوڈنٹس جہاد علی خان اور بلال الرحمان کو اسلام آباد پولیس نے اسلام آباد کشمیر ہائی وے پر اس وقت گرفتار کر لیا جب وہ دونوں کتابیں خریدنے باہر نکلے تھے۔ اور آپنی موٹر کار میں ناکے پر سے گزر رہے تھے۔ اسلام آباد سی ٹی ڈی پولیس نے دونوں نوجوانوں کو بلاوجہ شک کی بناء پر گرفتار کر کے نامعلوم جگہ پر منتقل کر دیا اور پھر بعدازاں جیل بھیج دیا۔ انکے والدین نے انسانی حقوق کے کارکن کو بتایا کہ دونوں چچازاد بھائی طالب علم اور اسلام آباد میں رہائش پذیر تھے جنہیں پی ٹی آئی ورکروں کا شک گزرنے پر گرفتار کر کے انکے خلاف دھشت گردی کے دفعات درج کر کے جیل بھیج دیا ہے۔ بچوں سے والدید کی ملاقات بھی نہیں کروانے دی جارہی۔ والدین کا مزید کہنا ہے کہ ہمارے بچے تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے میں اسلام آباد میں رہتے ہیں اور بیگناہ ہیں جسے پولیس نے بلاوجہ گرفتار کر لیا ہے۔ انہوں نے اعلیٰ حکام سے آپیل کی ہے۔ کہ ہمارے بیٹوں کو پولیس سے بازیاب کرانے کے احکامات جاری کریں تاکہ ہمیں اس بابرکت مہینے میں سکون ملے۔ بچوں کے گھر والے انتہائی پریشان ہیں۔

(منظور آفریدی)

بچوں کو زخمی کر دیا

اورکزئی ضلع اورکزئی حدود تھانہ ڈبوری نزد سپیدار سکول کے بچوں پر فائرنگ۔ فائرنگ کے نتیجے میں نویں کلاس کے طالب علم سوہیب ولد ابراہیم عمر 18 سال اور سمود ولد غمین عمر 17 سال زخمی۔ واقعے کی اطلاع ملتے ہی ڈسٹرکٹ پولیس آفیسر اورکزئی نذیر احمد خان کی ہدایت پر ایس ڈی پی او اپر اورکزئی عمر زمان اور ایس ایچ او تھانہ ڈبوری امتیاز خان فوری طور پر جائے وقوعہ پہنچے اور ملزمان کی بھاگنے کی کوشش کو ناکام بناتے ہوئے 2 ملزمان عباس خان ولد ایوب خان اور ذیشان ولد ایوب خان کو آلہ قتل سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ (منظور آفریدی)

خاتون قتل کر دی گئی

چنیوٹ لواحقین کے مطابق نور بی بی بیوہ محمد نواز قوم ہرل سکنہ چک 155 علاقہ تھانہ کوٹ وساوا کو اس کے بیٹے شاویز نے گھریلو ناچاقی پر فائرنگ کر کے قتل کر دیا۔ واقعہ کی اطلاع ملتے ہی تھانہ کوٹ وساوا پولیس موقع پر پہنچ گئی۔ واقعہ کی تحقیق اور حسب ضابطہ کارروائی جاری ہے۔ (سیف علی خان)

نوجوان کا قتل

میانوالی 31 مارچ کو افطاری کے وقت نوجوان قتل واں بھچراں ضلع میانوالی گرڈ سٹشن کے قریب واقع اپنی دوکان میں بیٹھے نوجوان کامران ولد مہربان کو فائرنگ کر کے قتل کر دیا گیا۔ ابتدائی رپورٹ کے مطابق قاتل قریبی دوست بتائے جا رہے ہیں۔

(محمد رفیق)

پولیس کے خلاف احتجاج

شہدادکوٹ شہدادکوٹ پولیس کی حراست میں فوت ہونے والے نور محمد مستوئی کے ورثاء سعید احمد مستوئی، محمد وارث مستوئی اور علی حسن کی رہنمائی میں شہرون نے پولیس کے ظلم کے خلاف ٹائر جلا کر احتجاجی مظاہرہ کیا اور دھرنا دیا گیا ہے۔ شہدادکوٹ کے ای سیکشن تھانے کے ایس ایچ او امان اللہ سومرو اور ڈی ایس پی واحد بخش برڑو نے بلاوجہ نور محمد مستوئی کو گرفتار کر کے تشدد کا نشانہ بنا کر قتل کر دیا ہے جو انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہے۔ انہوں نے سپریم کورٹ پاکستان کے چیف جسٹس، حکومت پاکستان، آئی جی سندھ، ڈی آئی جی لارکانہ اور ایس ایس پی قمبر شہدادکوٹ سے مطالبہ کیا ہے کے فوری طور پر مقتول نور محمد مستوئی کے قتل کا مقدمہ ایس ایچ او ای سیکشن تھانہ شہدادکوٹ اور ڈی ایس پی پر داخل کر کے انصاف فراہم کیا جائے۔ (ندیم جاوید منگی)

اساتذہ کا احتجاج

شہداد کوٹ قمبر شہدادکوٹ ضلعے کے این ٹی ایس ٹیچرز ٹیسٹ 2013 کس پاس امیدوارون نے آفر آرڈرز نہ ملنے کے خلاف احتجاجی مظاہرہ، حکومت سے فوری طور پر آفر دینے کا مطالبہ۔ تفصیلات کے مطابق قمبر شہدادکوٹ ضلع کے این ٹی ایس ٹیچرز ٹیسٹ 2013 کے پاس امیدواروں نے آفر آرڈرز نہ ملنے کے خلاف احتجاجی مظاہرہ کیا۔ مظاہرین کے ہاتھوں میں پلے کارڈز تھے جن پے این ٹی ایس پاس امیدواروں کو انصاف دو کے نعرے لکھے ہوئے تھے۔ اس موقع پر این ٹی ایس ٹیچرز ٹیسٹ 2013 کے پاس امیدواروں شاہد حسین لانگاہ، وقار حیدر منگی اور طارق سرہیو نے کہا کے 2013 مین 60 سے 97 فیصد مارکس لیکے کامیابی حاصل کرنے کے باوجود 10 سال گذر جانے کے باوجود این ٹی ایس ٹیچرز ٹیسٹ 2013 کے پاس امیدوارون کو ابھی تک آفر آرڈر نہ دیکے ناانصافی کی گئی ہے۔

(ندیم جاوید منگی)

☆ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات کی رپورٹ

1-وقوعہ کیا تھا:			
2-وقوعہ کب ہوا؟	سال	مہینہ	تاریخ
3-وقوعہ کہاں ہوا؟	گاؤں	محلّہ	
	ڈاک خانہ	تحصیل وضلع	
4- کیا وقوعہ کا مقامی رسم ورواج سے تعلق ہے	ہاں	نہیں	
5-وقوعہ کیسے ہوا؟(مختصر تفصیل)			
6-وقوعہ کا ماضی کے کسی دوسرے واقعہ سے تعلق اور اس کی مختصر تفصیل			

7-وقوعہ کا شکار ہونے والے کے کوائف	نام	ولد/زوجہ	پیشہ

8-وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے معاشی/سماجی حیثیت					
	بچہ/بچی	عورت/مرد	غریب/ان پڑھ	بوڑھا/بوڑھی	بیمار
	مخالف سیاسی کارکن	سماجی کارکن	اقلیتی فرقے کا رکن	دیگر (تخصیص کریں)	

9-وقوعہ میں ملوث اشخاص کے کوائف:	نام	ولدیت/زوجیت	عہدہ	پیشہ
	-1			
	-2			
	-3			

10-وقوعہ کے ذمہ دار فرد/افراد کی معاشی/سماجی حیثیت	بڑا جاگیردار/زمیندار/بہت امیر آدمی	متوسط طبقے سے/غریب آدمی	بااثر صلاحیت/سیاسی اثر ورسوخ	

11-وقوعہ کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کے کوائف	نام اور ولدیت	عہدہ	پیشہ	پارٹی/ادارہ
	-1			
	-2			
	-3			

12-وقوعہ سے متعلقہ فریقین گواہان وغیر جانبدار افراد کے کوائف وموقف

وقوعہ سے تعلق	نام اور ولدیت	وقوعہ سے متاثر ہونے والے کے ساتھ تعلق/رشتہ داری	عہدہ	موقف
واقعہ سے متاثر				
واقعہ کا ذمہ دار				
چشم دید گواہ				
غیر جانبدار/پڑوسی				

13-اس قسم کے واقعات علاقہ میں کس قدر ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں	بہت زیادہ	اکثر اوقات	کبھی کبھار	کبھی نہیں
14-اس قسم کے واقعات اندازاً کتنی تعداد میں ہوتے ہیں	روزانہ	ماہانہ	سالانہ	
15-وقوعہ کے بارے میں HRCP نامہ نگار/اس کے ساتھ چھان بین کرنے والے/والوں کی رائے				

رپورٹ بھیجنے والے کے کوائف:	نام	پتہ: گاؤں/محلّہ	شہر/ضلع

انسانی حقوق کے عالمی منشور کی کس شق کی خلاف ورزی ہوئی؟

دستخط: ....

تاریخ: ....

نوٹ: اگر تفصیلات فارم پر نہ آسکیں تو نمبر لکھ کر سادے کاغذ پر تفصیل درج کریں

☆ تمام ساتھی جو انسانی حقوق کے حوالے سے رپورٹیں بھیجتے ہیں آئندہ اس فارم کی فوٹو کاپی پر کوائف ' پُر کرکے بھیجیں

Human Rights Commission of Pakistan

جہدِ حق

انسانی حقوق کا عالمی منشور

10 دسمبر 1948ء کو اقوام عالم نے انسانی حقوق کا مندرجہ ذیل عالمی منشور منظور کیا

دفعہ - 1	تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انھیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے۔ انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہیے۔
دفعہ -2	ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کیے گئے ہیں اور اس حق پر نسل، رنگ، جنس، زبان، مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے، قومیت، معاشرے، دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس کے علاوہ کسی بھی شخص کے ساتھ اس کے علاقے یا ملک کی، سیاسی، عملی یا بین الاقوامی حیثیت کی بناء پر کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا اقدار اعلی کے لحاظ سے کسی اور بندش کا پابند ہو۔
دفعہ - 3	ہر شخص کو اپنی آزادی، زندگی اور تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 4	کوئی شخص، غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جاسکے گا۔ غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی بھی شکل ہو، ممنوع ہوگی۔
دفعہ - 5	کسی شخص کو جسمانی اذیت، یا ظالمانہ انسانیت سوز، یا ذلت آمیز سزا نہیں دی جائے گی۔
دفعہ - 6	ہر شخص کا حق ہے کہ ہر جگہ اس کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا جائے۔
دفعہ - 7	قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حق دار ہیں۔ اس اعلان کی خلاف ورزی میں جو بھی تفریق کی جائے یا جس تفریق کی بھی ترغیب دی جائے، اس سے بچاؤ کے سب برابر کے حقدار ہیں۔
دفعہ - 8	ہر شخص کو ان فعال کے خلاف جو دستور یا قانون میں دیے ہوئے بنیادی حقوق کی نفی کرتے ہوں، بااختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے سے چارہ جوئی کرنے کا حق ہے۔
دفعہ - 9	کسی شخص کو من مانے طور پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 10	ہر شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق وفرائض کے تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے فیصلے کے بارے میں اسے ایک آزاد اور غیر جانب دار عدالت میں کھلی اور منصفانہ سماعت کا موقع ملے۔
دفعہ - 11	(1) ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری الزام عاید کیا جائے، اس وقت تک بے گناہ شمار کیے جانے کا حق ہے جب تک کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع اور تمام ضمانتیں نہ دی جاسکی ہوں۔ (2) کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بناء پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا، کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا، اور نہ ہی اسے کوئی ایسی سزا دی جائے گی جو جرم کے ارتکاب کے وقت کی مقرر کردہ سزا سے زائد ہو۔
دفعہ - 12	کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کیے جائیں گے۔ ہر شخص کو ایسے حملے یا مداخلت سے قانونی تحفظ کا حق ہے۔
دفعہ - 13	(1) ہر شخص کو اپنی ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور کہیں بھی سکونت اختیار کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے اپنے ملک میں واپس آجانے کا بھی حق ہے۔
دفعہ - 14	(1) ہر شخص کو عقیدے کی بنا پر ایذا رسانی سے بچنے کے لیے دوسرے ملکوں میں پناہ حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔ (2) یہ حق ان عدالتی کاروائیوں سے بچنے کے لیے استعمال میں نہیں کیا جاسکتا جو خالصتا غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف ہیں۔
دفعہ - 15	(1) ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔ (2) کوئی شخص محض من مانے طور پر قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی اس کو اپنی قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار کیا جائے گا۔
دفعہ - 16	(1) بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر ایسی پابندی کے جو نسل، قومیت، یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق ہے۔ مردوں اور عورتوں کو نکاح، ازواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔ (2) نکاح فریقین کی پوری آزادی اور رضامندی سے ہوگا۔ (3) خاندان، معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حقدار ہے۔
دفعہ - 17	(1) ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔
دفعہ - 18	ہر انسان کو آزادی فکر، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔ اس حق میں مذہب اور عقیدے کو تبدیل کرنے اور اجتمائی یا انفرادی طور پر خاموشی یا کھلے بندوں اپنے عقیدے کی تبلیغ، اس پر عمل، اور اس کی عبادات اور رسومات پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔
دفعہ - 19	ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔ اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اور بلا کسی قسم کی مداخلت کے اپنی رائے پر قائم رہے اور جس ذریعے سے چاہے اور ملکی سرحدوں کے حائل ہوئے بغیر معلومات اور خیالات کا حصول اور ان کی ترسیل کرے۔
دفعہ - 20	(1) ہر شخص کو پرامن طریقے سے ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔ (2) کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔
دفعہ - 21	(۱) ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کیے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔ (3) عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی۔ یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی کی بنیاد پر ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مماثل کسی دوسرے آزادانہ طریقہ رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔
دفعہ - 22	معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور تقافتی حقوق کو عملاً حاصل کرے، جو اس کی عزت اور شخصیت کی آزادانہ نشوونما کے لیے لازم ہیں۔
دفعہ - 23	(1) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب، کام کاج کی مناسب ومعقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔ (2) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔ (3) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب ومعقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جاسکے۔ (4) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں، (ٹریڈ یونین) قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔
دفعہ - 24	ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے ساتھ مقررہ وقفوں پر تعطیلات میں شامل ہیں۔
دفعہ - 25	(1) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات، اور بیروزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا اور ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضہٴ قدرت سے باہر ہوں، کے خلاف تحفظ کا حق شامل ہے۔ (2) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی کے بغیر پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد، معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔
دفعہ - 26	(1) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم کم سے کم ابتدائی اور بنیادی درجوں میں مفت ہوگی۔ ابتدائی تعلیم لازمی ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بنا پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔ (2) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔ (3) والدین کو اس بات کے تصفیہ کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔
دفعہ - 27	(1) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، فنون لطیفہ سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔ (2) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفادات کا تحفظ کیا جائے جو اسے ایسی سائنسی، فنی یا ادبی تصنیف سے، جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں
دفعہ - 28	ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام کا حقدار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہوسکیں جو اس اعلان میں شامل ہیں۔
دفعہ - 29	(1) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں کیونکہ معاشرے میں رہ کر اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔ (2) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے اور ایک جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کی گئی ہوں۔ (3) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصولوں کے خلاف عمل میں نہیں لائی جاسکتیں۔
دفعہ - 30	اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جاسکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی نفی ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

پبلشر: ندیم فاضل: پاکستان کمیشن برائے انسانی حقوق
”ایوان جمہور“ 107۔ ٹیپو بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور
فون: 35864994-35838341 فیکس: 35883582
ای میل hrcp@hrcp-web.org ویب سائٹ: www.hrcp-web.org
پرنٹر: مکتبہ جدید پریس، 14 ایمپرس، لاہور Registered No. LRL-15

کمپوز: جمال احمد سید رضا شاہ